اسماء قادری
اپنے حصے کا دیا
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN

رائٹنگ پیڈ پر تیزی سے قلم چلاتے ہوئے اسے اپنے سامنے کھلی کتاب کے ایک نکتے پر شک سا گزرا تو اس نے اپنے قلم کو روک دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر لائبریری کے اس حصے کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں حوالہ جاتی کتب سے بھرے شیلف بنے ہوئے تھے۔

شیلف کے سامنے ہی ایک بہت مانوس سا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ انٹر کے بعد پرائیوٹ بی اے کا امتحان دینے کی تیاری کر رہی تھی۔ اپنے نوٹس کی تیاری کے سلسلے میں اس کا باقاعدگی سے اس لائبریری میں آنا ہوتا تھا۔ وہ جتنے عرصے سے لائبریری آ رہی تھی، اس کا تقریباً روزانہ ہی اس شخص سے سامنا ہوتا تھا بلکہ روزانہ کے اس معمول کی وجہ سے وہ اس شخص کی صورت سے مانوس ہونے کے ساتھ ساتھ عادتوں سے بھی کچھ کچھ واقف ہو گئی تھی۔

وہ اچھا خاصا سنجیدہ مزاج ہونے کے باوجود بااخلاق، نرم اور ہمدرد طبیعت کا مالک تھا۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو کر شیلف میں موجود کتابوں کا جائزہ لینے لگی۔ ابھی اس نے اپنی مطلوبہ کتاب نکالی ہی تھی کہ اسے پلٹ کر تیزی سے ریڈنگ روم سے باہر جاتے دیکھا۔ اس کے انداز کی عجلت پر وہ ذرا سا ٹھٹکی اور پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے شیلف کے ساتھ موجود کھلی کھڑکی سے نیچے جھانکا۔

مکمل ناول

ریڈنگ روم لائبریری کی پہلی منزل پر تھا اور یہاں کی کھڑکیوں سے لائبریری کے سامنے والی سڑک واضح طور پر دیکھی جاسکتی تھی۔ یہ ایک ذیلی سڑک تھی جس پر بہت کم ٹریفک ہوتا تھا۔ البتہ لائبریری کے ساتھ موجود فٹ پاتھ پر پھل فروشوں، شربت والوں اور پرانی کتابیں فروخت کرنے والے کے ٹھیلوں کے ساتھ ساتھ ایک موچی کا کھوکھا منظر کو کافی بارونق بنادیتا تھا۔

یہ منظر اس کا روزانہ کا دیکھا بھالا تھا۔ اس نے اس منظر کو دیکھنے کے لیے کھڑکی سے نیچے جھانکا بھی نہیں تھا۔ اس کی نظریں تو ابھی ابھی یہاں سے جانے والے شخص کی متلاشی تھیں۔ آخر وہ اسے لائبریری کے گیٹ سے نکل کر باہر جاتا ہوا دکھائی دے گیا۔ اس کے بڑھتے قدموں کے تعاقب میں اس کی نظروں نے جس چیز کو گرفت میں لیا وہ ایک جھکی ہوئی کمر والی بڑھیا تھی جس نے اپنی کمر پر کپڑوں کا بڑا سا گٹھر رکھا ہوا تھا جس کے بوجھ سے اس کی کمر اور بھی جھک گئی تھی۔

بڑھیا کو دیکھتے ہی اسے اس کے عجلت میں باہر جانے کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ وہ خود بھی اپنے سابقہ تجربے کی روشنی میں ایسے ہی کسی منظر کی امید کررہی تھی۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ بڑھیا کے قریب پہنچا اور اس کی کمر پر لدا ہوا کپڑوں کا گٹھر خود تھام لیا اتنی دور سے وہ بڑھیا اور اس کے درمیان ہونے والا مکالمہ نہیں سن سکتی تھی لیکن بڑھیا کی حرکات و سکنات اور چہرے کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ڈھیروں دعائیں بھی دے رہی ہے۔

ان دعاؤں کا عکس اس کی گہری سانولی رنگت میں ابھرتی چمک کی صورت میں جھلملا رہا تھا۔ وہ اس چمک پر دل ہی دل میں رشک کرتی ہوئی کتاب لے کر اپنی جگہ پر واپس جا بیٹھی لیکن اب اس کا ذہن اپنے نوٹس کی تیاری سے زیادہ اس گہری سانولی رنگت والے شخص میں اٹکا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"فائقہ! آکر روٹی بنالو بیٹا! تمہارے ابا اور بھائی آتے ہی ہوں گے۔"

"جی امی! میں آگئی ہوں۔" شاکرہ بیگم کی بلند پکار کے جواب میں وہ ان کے عین پیچھے سے بولی تو وہ چونک کر ڈھکن ڈھانپ کر اس کی طرف پلٹ کر دیکھنے لگیں۔

"توبہ! بڑی گرمی ہے۔ ذرا سی دیر میں، میں تو پسینے سے نہا گئی ہوں۔"

"تو آپ یہاں آئی کیوں تھیں۔ سالن تو میں نے بنا ہی دیا تھا۔ آٹا بھی گوندھ کر فریج میں رکھ دیا تھا کہ ابا اور بھائی کے آنے سے ذرا پہلے روٹیاں تیار کرلوں گی تاکہ ٹھنڈی نہ ہوں۔" انہیں پسینے سے شرابور دیکھ کر فائقہ نے انہیں ٹوکا۔

"میں نے سوچا تھوڑا سا قیمہ بھون دوں، بھنڈیاں دیکھ کر تمہارے ابا اور بھائی دونوں منہ بنانے لگیں گے۔ قیمہ بس تیار ہی ہے۔ تم پانچ منٹ بعد چولہا بند کرکے ہرا دھنیا چھڑک دینا۔" شاکرہ بیگم اس کی بات کا جواب دینے کے ساتھ اسے ہدایت دیتی ہوئی باورچی خانے سے باہر نکل گئیں۔ اسی وقت بیرونی دروازے کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔

"شاید تمہارے ابا اور بھائی آگئے۔" شاکرہ بیگم نے باآواز بلند خیال ظاہر کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔ فائقہ نے خیال سے پھرتی سے توا دھو کر چولہے پر چڑھایا اور فریج سے آٹے کا پیالہ نکالنے برآمدے میں چلی آئی۔

یہاں پر اسے بیرونی دروازے سے آنے والی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں اور ان آوازوں سے پتا چل رہا تھا کہ دروازے پر ابا اور بھائی کے بجائے کوئی اور موجود ہے۔

"اللہ کی قسم باجی! میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ میرے گھر کھانے کے لیے کچھ نہیں، میرے بچے بھوکے ہیں آپ مجھے بس اتنے روپے دے دیں کہ میں اپنے بچوں کو ایک وقت کی روٹی پکا کر پانی سے ہی کھلا سکوں۔" یہ کسی عورت کی رندھی ہوئی آواز تھی جس نے فائقہ کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔

"معاف کرو بھئی۔ یہ تم لوگوں کا اچھا طریقہ ہے کہ دروازے بجا بجا کر بھیک مانگنے کھڑی ہوجاتی ہو۔ یہاں تو ہی کو اپنا ہی پورا نہیں ہوتا گھڑی گھڑی ہاتھ پھیلا کر دروازے پر آکھڑے ہونے والوں کو کہاں سے دیں؟"

شاکرہ بیگم جواباً بیزاری سے بولیں اور دروازے سے ہٹنے لگیں۔

فائقہ نے آوازوں کے تعاقب میں دروازے کی طرف دیکھا تو اسے وہاں ایک نہایت دبلی پتلی، چھوٹے قد کی، سانولی سی عورت کھڑی دکھائی دی۔ عورت کی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ فائقہ کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ آٹے کا پیالہ فریج کے اوپر ہی رکھ کر تیزی سے اپنے کمرے میں گئی اور بیگ سے کچھ روپے نکال کر بیرونی دروازے کی طرف دوڑی، شاکرہ بیگم اس دوران دروازہ بند کرکے برآمدے میں بچھے تخت پر عین پنکھے کے نیچے آبیٹھی تھیں اور اپنا پسینہ سکھا رہی تھیں۔

فائقہ نے دروازہ کھول کر گلی میں جھانکا۔ سست قدموں سے چلتے ہوئے وہ عورت ابھی زیادہ دور نہیں گئی تھی۔

"بات سنو ماسی!" فائقہ نے اسے پکارا تو اس نے پلٹ کر فائقہ کی طرف دیکھا۔

"یہ لے لو۔" فائقہ نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے نوٹ بڑھائے تو وہ تیزی سے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

"جیتی رہو بٹی! اللہ نصیب اچھا کرے۔ سدا خوش رہو۔" فائقہ کے ہاتھ میں موجود چند نوٹ تھام کر اس نے ڈھیروں دعائیں دیں۔

فائقہ دل میں ایک گہری طمانیت کا احساس لیے اندر آگئی اور مگن سے انداز میں جاکر فریج پر رکھا آٹے کا پیالہ اٹھایا۔

"کیا ضرورت پڑی تھی تمہیں اس عورت کو روپے دینے کی۔ تمہیں جیب خرچ اس لیے دیتی ہوں کہ تم ادھر ادھر بانٹ دو۔" شاکرہ بیگم جنہوں نے تخت پر بیٹھے بیٹھے اس سارے عمل کو ملاحظہ کیا تھا اس پر بگڑنے لگیں۔

"وہ بہت ضرورت مند عورت لگ رہی تھی امی! میرے تھوڑے سے پیسے دینے سے اگر اس کے بچے ایک وقت پیٹ بھر کر کھالیں گے تو اس میں کیا برائی ہے؟"

"ارے تم کہاں اس عورت کی کہانیوں میں آگئیں؟ یہ پیشہ ور بھکاری عورتیں ہوتی ہیں انہیں ایسے بہانے رٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ابھی کسی اور گھر کے سامنے کھڑی ہوکر پھر دوبارہ یہی کہانی سنائے گی۔ ایسی عورتیں کوئی ضرورت مند تھوڑا ہی ہوتی ہیں۔ ضرورت مند بے چارے تو اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنے کے لیے چار وقت کا فاقہ بھی چپ چاپ بیٹھ کر کاٹ لیتے ہیں۔" فائقہ کا جواب سن کر شاکرہ بیگم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مگر کوئی کب تک خاموشی سے بیٹھ کر فاقے کاٹ سکتا ہے؟ خاص طور پر جب اولاد بھوکی ہو تو وہ مجبور ہوکر مانگنے کے لیے دوسروں کے در پر کھڑا ہو ہی جاتا ہے۔ ہم کیسے فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ہم سے مدد کی درخواست کرنے والا ضرورت مند ہے یا کوئی پیشہ ور بھکاری؟ ہم اگر اپنے در پر آنے والے ہر سوالی کو یہی سمجھ کر کہ وہ پیشہ ور بھکاری ہے ٹالتے رہیں تو اس طرز عمل سے کسی حقیقی ضرورت مند کے ساتھ بھی تو ناانصافی ہوسکتی ہے۔ اگر ہمارے در پر آنے والا کوئی شخص مایوس ہونے کے بعد فاقے سے مرگیا تو ہم روز حشر اللہ کو کیا جواب دیں گے؟" شاکرہ بیگم کے سمجھانے کا اثر لیے بغیر وہ الٹا انہیں ہی سمجھانے لگی۔

"ارے تو کیا ہم ہر ایک کو دے دے کر خود کنگال ہوکر بیٹھ جائیں۔ یہاں تو لائن ہی لگی رہتی ہے فقیروں کی۔" شاکرہ بیگم اس کی بات پر چمک کر بولیں۔

"کسی کو روپے دو روپے دے دینے سے آدمی کنگال نہیں ہوجاتا۔ ایسا بھی کوئی تانتا نہیں بندھا رہتا

ہمارے دروازے پر فقیروں کا۔ دن میں بہت سے بہت دو تین ہی آتے ہیں اور کبھی وہ بھی نہیں آتے۔"

"زیادہ اپنی قابلیت جھاڑ کر میرا متھا کھانے کی ضرورت نہیں۔ جاؤ جا کر روٹی پکاؤ۔ پہلے ہی گرمی کے مارے دماغ گھوما جارہا ہے اس پر سے اب میں بیٹھ کر تمہارا لیکچر سنوں۔" فائقہ کے دلائل سن کر شاکرہ بیگم نے اچھا خاصا چڑ کر اسے ڈپٹا تو وہ کلن دبا کر باورچی خانے میں چلی گئی۔

چولہے پر رکھا قیمہ بس لگنے کو ہی تھا۔ فائقہ نے جلدی سے چولہا بند کیا اگر سالن میں ذرا بھی جلی ہوئی بو آجاتی تو ابا اور بھائی دونوں کا ہی موڈ خراب ہوجاتا۔ قیمے کی طرف سے تسلی کرنے کے بعد اس نے روٹیاں پکانا شروع کردیں۔ روٹیاں پکانے کے دوران بھی اس کا ذہن امی کی باتوں میں الجھا رہا۔ اس مانگنے والی عورت کے سامنے امی نے کتنے صاف لفظوں میں "پڑا ہی پورا نہ پڑنے کا ذکر کیا تھا۔ بھلا جنہیں پورا نہ پڑتا ہو ان کے گھر میں ایک وقت میں دو دو ہانڈیاں پکتی ہیں؟

وہ لوگ ایسے کوئی امیر و کبیر نہیں تھے لیکن گھر میں ایسی تنگ دستی بھی نہیں تھی ابا کے کپڑے کی دکان اچھی خاصی چلتی تھی۔ گھر میں ضرورت کی تقریباً" ہر شے موجود تھی۔ دوپہر کا کھانا ابا اور بھائی دکان پر ہی کھاتے تھے۔ کھانے کے وقت کوئی جان پہچان والا یا ساتھ کا کوئی دکاندار بھی کھانے میں شامل ہوجاتا تھا اس لیے دوپہر کے کھانے کے لیے ابا کی سخت ہدایت تھی کہ کھانا اہتمام سے تیار کرکے بھیجا جائے۔

کام کے بوجھ کی وجہ سے شاکرہ بیگم نے انٹر کے بعد ہی فائقہ کو گھر بٹھالیا تھا تاکہ وہ ان کا ہاتھ بٹا سکے۔ گھر میں کام والی رکھنا انہیں قطعی پسند نہیں تھا ایسے میں فائقہ کو ہی قربانی دینا پڑی البتہ اپنے شوق کی وجہ سے وہ پرائیویٹ بی اے کا امتحان دینے کی تیاری ضرور کررہی تھی۔

پڑھائی میں باقاعدگی رکھنے کے لیے اس نے روزانہ لائبریری جاکر پڑھنے کا معمول اپنا رکھا تھا۔ لائبریری کے ساتھ ہی اس شخص کا خیال بھی جڑا ہوا تھا۔ فائقہ غیر محسوس طور پر اس سے دن بدن متاثر ہوتی جارہی تھی اور اسے کاپی کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جو واقعہ ہوا تھا اس نے فائقہ کو اس شخص سے وابستہ ایک واقعہ یاد دلادیا تھا۔

اکثر وہ اور فائقہ وین کے انتظار میں ایک ہی اسٹاپ پر کھڑے ہوتے تھے اس دن بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ دونوں اپنی اپنی وین کے انتظار میں کھڑے تھے کہ ایک مفلوک الحال آدمی نے جو شکل سے ہی کافی بیمار لگ رہا تھا اس کے سامنے دست سوال دراز کیا۔ اس نے اس سوال پر اپنی جیب کو ٹٹولا اور اس میں موجود کل رقم نکال کر اس شخص کے ہاتھ پر رکھ دی۔

فائقہ نے نوٹ کیا تھا کہ وہ رقم بہت زیادہ نہیں ہے لیکن وہ اپنی تمام جیبیں جھاڑ چکا تھا۔ اس کے خالی جیب ہونے کی تصدیق یوں بھی ہوگئی کہ سوالی کے ہاتھ میں روپے تھمانے کے بعد وہ بس اسٹاپ پر رکا نہیں بلکہ پیدل ہی وہاں سے چل پڑا یعنی اس نے اپنے پاس اتنے روپے بھی نہیں رکھے تھے کہ وین کا کرایہ ہی ادا کرسکے۔

فائقہ اس کے اس جذبے سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ بہت میں سے کسی کو تھوڑا سا تو پھر بھی لوگ دے ہی دیتے ہیں لیکن تھوڑے میں سے کسی کو دینا بلکہ سب کچھ دے دینا واقعی مشکل تھا لیکن وہ یہ مشکل کام کرکے بڑے مزے سے پیدل واپس جانے کی مشقت اٹھانے کے لیے راضی ہوگیا تھا۔

فائقہ اس شخص کی مثال کو سامنے رکھ کر امی کے طرز عمل کا اس سے موازنہ کرتی سخت افسوس محسوس کررہی تھی۔ اچھی خاصی خوشحالی کے باوجود' تنگی کا رونا رونا اور دوسرے کی مدد سے کترانا' ناشکری کی وجہ سے ہی ہوسکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"باجی کرایہ؟" کنڈیکٹر کے مطالبے پر اپنے بیگ کی جیبیں ٹٹولتی ہوئی فائقہ کی انگلیاں پسینے سے بھیگنے لگیں۔ کل اس عورت کو روپے دینے کے بعد اسے قطعی خیال نہیں رہا تھا کہ اس کے بیگ میں سے رقم ختم ہوچکی ہے۔ وہ دوپہر کے کھانے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ویسے ہی بیگ اٹھا کر گھر سے نکل پڑی تھی۔ گھر سے لائبریری کا بس دو اسٹاپ کا ہی فاصلہ تھا اور یہ فاصلہ منٹوں میں طے ہوگیا تھا۔ فائقہ جس نے وین میں بیٹھتے ہی کرایہ ادا کرنے کے لیے اپنے بیگ کی جیبیں ٹٹولنا شروع کردی تھیں اب اس صورت حال پر گھبراگئی۔

اس کا اسٹاپ آچکا تھا اور کنڈیکٹر کے انداز سے صاف نظر آرہا تھا کہ اگر فائقہ نے اسے کرایہ نہیں دیا تو وہ اسے سخت بے عزت کرے گا۔ گھبراہٹ کے اس عالم میں اس نے کسی انجانی سی امید کے سہارے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ اسے وہ ایک وین سے اترتا ہوا نظر آیا۔

"باجی! کرایہ دو اور جلدی سے نیچے اترو ہمارا ٹیم (ٹائم) خراب ہورہا ہے۔" اسی وقت کنڈیکٹر نے بھی جھنجلائے ہوئے لہجے میں اپنا مطالبہ دہرایا۔

"وین سے اتر کر دیتی ہوں۔" فائقہ کی گھبراہٹ یکدم ہی خود اعتمادی میں تبدیل ہوئی اور تیزی سے وین سے اتر کر اس نے اسے پکارا۔

"بات سنیں۔" فائقہ کی پکار سن کر وہ رک گیا۔

"ذرا اس کنڈیکٹر کو دس روپے تو دے دیں۔" فائقہ نے اس سے گویا مطالبہ کیا جس کو اس نے فوراً" ہی پورا کردیا اور پھر کچھ کہے بغیر لائبریری کی طرف بڑھ گیا۔

فائقہ بھی اس کے پیچھے ہی تھی۔ وہ اس سے پہلے ریڈنگ روم میں پہنچ کر ایک کرسی سنبھال چکا تھا۔ فائقہ خود میں ہمت پیدا کرتے ہوئے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی پھر آہستہ سے بولی۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ دراصل میں آج اپنا بیگ چیک کیے بغیر ہی گھر سے نکل گئی تھی۔ وین میں بیٹھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میرے پاس کرائے کے پیسے نہیں ہیں۔ کنڈیکٹر کو اپنا مسئلہ سمجھاتی اس سے بہتر میں نے یہ سمجھا کہ آپ سے مدد مانگ لوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی انسان سے ایسی غلطیاں ہوجاتی ہیں اور ایسے موقع پر ایک انسان ہی دوسرے انسان کے کام آتا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ واپسی کا کرایہ بھی مجھ سے لے لیں۔" نرمی سے فائقہ کو جواب دیتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک اور دس کا نوٹ نکالا۔

"نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔ میں رکشے سے واپس چلی جاؤں گی اور گھر پہنچ کر رکشے والے کو کرایہ دے دوں گی۔" فائقہ اس کے نوٹ نکالنے پر جھینپ سی گئی۔

"بیکار میں فضول خرچی کریں گی۔ جو راستہ وین سے دس روپے میں طے ہوجاتا ہے اس کے لیے رکشے والا چالیس پچاس روپے لے لے گا۔ آپ اتنی رقم بے کار میں زائد خرچ کرنے کے بجائے کسی ضرورت مند کی مدد کردیجیے گا۔" فائقہ کے انکار کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس نے اسے دس روپے کا نوٹ زبردستی

سمجھایا اور ساتھ میں نصیحت بھی کی۔

"کیا آپ اپنی ذات پر خرچ کرنے کے سرے سے قائل نہیں؟" فائقہ نے بے ساختہ ہی اس سے پوچھا۔

"کیوں نہیں؟ بالکل قائل ہوں لیکن بس ذرا مختلف انداز میں' آپ کے خیال میں ہم جو روپے کسی دوسرے کو اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے دیتے ہیں تو کیا اس سے ہماری ذات کو کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہوتا؟ فائدہ تو ہوتا ہے۔ بس یہ سمجھ لیں کہ وہ رقم اللہ تعالیٰ کے بینک میں فکسڈ ڈپازٹ اکاؤنٹ میں جمع ہو جاتی ہے اور اللہ اپنے وعدے کے مطابق اسے دس گنا کر کے مجھے لوٹا دیتا ہے۔ اس سے اچھی سرمایہ کاری تو کہیں اور ہو ہی نہیں سکتی۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اللہ وہ شے میرے ہاتھ سے اپنے دوسرے بندے کو دلوا کر مجھے خوشی بھی دیتا ہے۔ اس رقم پر نفع بھی اور آخرت کے لیے اچھی امید بھی۔ تو اس کا مطلب تو یہی ہوا نا کہ میں نے جو کچھ خرچ کیا خود اپنی ہی ذات پر خرچ کیا۔ ویسے آپ میری ان باتوں سے یہ مت سمجھیے گا کہ میں کوئی دنیا داری سے بالکل کنارہ کش شخص ہوں۔ آپ جسے ذات پر خرچ کرنا کہہ رہی ہیں' میں وہ خرچے بھی کرتا ہوں۔ تعلیم حاصل کر رہا ہوں' مناسب لباس خرید تا ہوں' پیٹ بھر کر کھانا بھی کھاتا ہوں' ساتھ اللہ جتنی توفیق دیتا ہے اتنا دوسروں کے کام آنے کی کوشش بھی کرتا ہوں۔ ویسے بھی کسی کے کام صرف پیسوں کے ذریعے ہی تھوڑا آیا جاتا ہے' بندہ اپنے ہاتھ پیروں سے بھی حسب توفیق دوسروں کے کام آسکتا ہے۔" اس نے فائقہ کے سوال کا ذرا تفصیلی جواب دیا۔

فائقہ خود اس کے جواب کی سچائی سے واقف تھی واقعی وہ کوئی تارک الدنیا شخص نہیں تھا۔ اس کی اچھی صحت' صاف ستھرا لباس اور لائبریری میں آمدورفت سب سے ظاہر تھا کہ وہ ایک نارمل زندگی گزار رہا ہے' جس میں دوسروں کے ساتھ ساتھ اپنی ذات کے حقوق بھی ادا کیے جاتے ہیں۔ بس یہ تھا کہ اس نے اپنی ذات کو اتنا اہم نہیں بنا رکھا تھا کہ دوسروں کے لیے ذرا سی زحمت اٹھانا بھی گراں گزرے۔

"مجھے آپ کی باتوں نے بہت متاثر کیا ہے اور میں نے یہ بھی مان لیا ہے کہ آپ دوسروں کے ساتھ جو بھی نیکی کرتے ہیں' دراصل وہ اپنی ذات کے لیے کرتے ہیں۔ اس کے باوجود میری طرف سے آپ کا بہت بہت شکریہ۔ کل ان شاء اللہ میں آپ کے یہ روپے واپس کر دوں گی۔"

"نہیں' مجھے آپ سے یہ روپے واپس نہیں چاہئیں۔ یہ آپ پر اس وقت تک قرض رہیں گے جب تک آپ ان سے کسی دوسرے کی مدد نہیں کر دیں گی۔" فائقہ کو حتمی انکار کرتے ہوئے اس نے اپنے سامنے موجود کتاب کھول لی۔

فائقہ بھی گفتگو کا سلسلہ ترک کر کے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ البتہ وہ گفتگو کے دوران اس شخص کی کتاب پر لکھا اس کا نام پڑھ چکی تھی۔ "محمد عمر" یہ نام اس کی شخصیت پر بے حد بھلا محسوس ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم باجی! کب آئیں آپ؟" فائقہ گھر میں داخل ہوئی تو تخت پر شاکرہ بیگم کے ساتھ بیٹھی صائمہ کو دیکھ کر اسے سلام کرنے کے بعد پوچھا۔

"بس ابھی پانچ منٹ پہلے آئی ہوں۔ امی نے بتایا کہ تم سلائی والی سے کپڑے لینے گئی ہوئی ہو۔ ذرا دکھاؤ تو کیسے کپڑے سیے ہیں اس نے؟" صائمہ نے اس سے کہا اور پھر خود ہی شاپر کھول کر اس میں سے سلے ہوئے کپڑے نکال کر دیکھنے لگی۔

"سلائی تو بہت صاف ہے۔ گلے کے ڈیزائن بھی بڑے اچھے بنائے ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ اب جو اپنے لیے لان کے سوٹ لے کر آؤں وہ یہیں اسی درزن کو سلائی کے لیے دے دوں۔ میرا درزی آج کل بڑے نخرے کرنے لگا ہے' پیسے بھی زیادہ لیتا ہے اور سلائی بھی اپنی مرضی سے کچھ کی کچھ کر دیتا ہے۔ اچھا ہے تمہاری اس درزن سے سلواؤں گی تو کچھ پیسے ہی کم لگیں گے۔ کتنے لے رہی ہے یہ فی سوٹ کا؟" صائمہ نے اس کے سلے ہوئے سوٹوں کو دیکھ کر تبصرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک سو بیس روپے۔" فائقہ نے بتایا۔

"ایک سو بیس کیوں دیے؟ سو روپے دینے چاہیے تھے۔" شاکرہ بیگم نے اس کا جواب سنتے ہی فوراً اسے ٹوکا۔

"ایک سو بیس ٹھیک تو ہیں امی! درزی سے کپڑے سلواتے تو وہ اس سلائی کے دو سو سے کم نہیں لیتا۔"

"درزی کی بات الگ ہے لیکن گھر پر سلائی کرنے والی عورتوں کو تو سب اتنے ہی روپے دیتے ہیں۔ تم تو ہو ہی سدا کی بیوقوف کہ جتنے اس نے مانگے اتنے دے آئیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی تمہیں اکیلا بھیجنے کے بجائے مجھے تمہارے ساتھ جانا چاہیے تھا۔" شاکرہ بیگم نے افسوس کا اظہار کیا۔

"اب جانے بھی دیں نا امی! وہ بے چاری بیوہ عورت ہے۔ دس بیس روپے زیادہ دے دینے سے ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ ہماری تو درزی سے کپڑے سلوانے کے مقابلے میں اچھی خاصی بچت ہی ہو گئی ہے اور کام بھی اچھا ہوا ہے۔ اچھا ہے اس بے چاری کا ہی تھوڑا سا بھلا ہو گیا۔ تین تین اسکول جانے والے بچے ہیں اس کے۔ پتا نہیں بے چاری کتنے جتن کر کے ان کا خرچا پورا کرتی ہو گی۔" فائقہ نے شاکرہ بیگم کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"ایک تو میں اس لڑکی سے تنگ آگئی ہوں۔ سارے زمانے کی ہمدردی کا بھوت سوار رہتا ہے اس پر۔ ذرا جو زمانے کے رنگ ڈھنگ کو سمجھتی ہو۔ اس درزن نے بیٹھ کر اسے اپنے دکھڑے سنائے ہوں گے اور یہ اپنا پرس خالی کر آئیں۔ ایسا لگتا ہے ابا اور بھائی کی کپڑے کی دکان کے بجائے کپڑے کی ملیں چل رہی ہیں جو یہ مٹھی بھر بھر کر نوٹ ادھر ادھر لٹا آتی ہیں۔" شاکرہ بیگم اس کے دلائل سے قائل ہو جاتیں ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا تھا بلکہ وہ الٹا اس کی کم عقلی کا ماتم کرنے لگیں۔

"کیوں تنگ کرتی ہو فائقہ امی کو؟ اب تم کوئی چھوٹی سی بچی تو رہی نہیں ہو کہ تمہیں ہر بات سمجھانی پڑے۔ مجھ میں اور تم میں تین سال کا ہی تو فرق ہے۔ تمہاری عمر میں تو امی نے میری شادی کر دی تھی۔ دیکھ لو میں نے کتنی سمجھ بوجھ کے ساتھ اپنا گھر چلایا۔ دانت میں دبا کر پیسے خرچ کرتی ہوں تب ہی تو تین سال میں اتنا جوڑ لیا کہ اپنا پلاٹ خرید سکوں۔ سال ڈیڑھ سال میں اس پر گھر بنوا کر شفٹ ہو جاؤں گی۔ سسرال کی ٹینشن سے بھی نجات ملے گی اور اپنے گھر کی خوشی الگ۔" صائمہ نے بھی حسب توفیق بڑی بہن ہونے کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے ہلکا سا ڈپٹا۔

فائقہ بدلحاظ ہوتی تو فوراً انہیں جتا سکتی تھی کہ وہ مہنگے سے مہنگا سوٹ اور سینڈلیں خریدتے وقت تو کبھی اپنی اس بچت اسکیم کو یاد نہیں رکھتی تھیں۔ انہیں ساری بچتیں اسی وقت یاد آتی تھیں' جب کسی دوسرے کو کچھ دینے کی باری آئے۔ جہاں تک پلاٹ کے لیے رقم جوڑنے کی بات تھی تو توفیق بھائی کی اچھی خاصی آمدنی میں سے یہ رقم جوڑ لینا اتنی بڑی بات نہیں تھی لیکن ان کو یہ سب جتا کر کون اپنے لیے مصیبت مول لیتا چنانچہ وہ اس کی طرف سے دھیان ہٹا کر اپنے دو سالہ بھانجے کو دیکھنے لگی۔ وہ محترم چپس کا ایک بڑا سا پیکٹ تھامے اس میں سے چپس کھانے کے بجائے ادھر ادھر پھینکنے میں زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔

"یہ کیا کر رہے ہو باگڑ بلے! چپس کھانے کے لیے ہوتے ہیں یا ادھر ادھر پھینکنے کے لیے۔" وہ یوں ہی اسے ٹوکتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چپس کا پیکٹ لے کر اسے گدگدیاں کرنے لگی۔

"میرے بیٹے کو کچھ مت کہنا بھئی' پہلے ہی وہ مشکل سے کچھ کھاتا ہے۔ تمہارے گھر میں جو بھی پھیلاوا ہو گا میں خود صفائی کر دوں گی۔" بیٹے کو ذرا سا ٹوکنے پر صائمہ فوراً ہی تڑپ کر بولی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو باجی! میں نے پہلے کبھی اس کے پھیلاوا کرنے پر کبھی منہ بنایا ہے جو اب کچھ کہوں گی؟ میں تو اسے صرف اس لیے ٹوک رہی تھی کہ یہ

کھانے کے بجائے ادھر ادھر پھینک کر چیں ضائع کر رہا ہے۔ بچے تو معصوم ہوتے ہیں بڑوں کو ہی ان باتوں کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔" فائقہ نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بڑی بہن کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"ضائع بھی کر رہا ہے تو کرنے دو۔ اس کے باپ کی کمائی ہے۔ اسے حق ہے لٹانے کا۔" صائمہ نے بے نیازی سے جواب دیا تو فائقہ اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اپنے باپ کی کمائی میں سے کچھ رقم ایک حق دار کو زائد دے کر آئی تھی تو اس پر ناسمجھی کے فتوے صادر کر کے اسے سمجھانے کا فریضہ سرانجام دیا جا رہا تھا اور یہاں صریحا" پیسے کے زیاں کے ساتھ رزق کی بے حرمتی ہو رہی تھی تو......

دل میں شدید تاسف محسوس کرتی ہوئی وہ اپنے کپڑوں کا تھیلا اٹھا کر اندر کمرے میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

وین سے اتر کر لائبریری کی طرف جاتے ہوئے اس کی نظر لائبریری کے ساتھ بنے فٹ پاتھ پر پڑی۔ وہاں ایک درخت کے نیچے چار پانچ بچے چادر بچھا کر بیٹھے ہوئے تھے ان بچوں کے درمیان بیٹھا محمد عمر بہت نمایاں نظر آ رہا تھا۔ فائقہ نے چند قدم کا فاصلہ اور طے کیا تو منظر مزید واضح ہو گیا۔

عمران بچوں کے درمیان بیٹھا بڑے انہماک سے انہیں پڑھا رہا تھا۔ نہ تو اسے گرمی کا احساس تھا اور نہ ہی اپنے فٹ پاتھ پر اس طرح بیٹھنے کا۔ وہ پوری طرح سے اپنے کام میں مگن تھا۔ فائقہ اس منظر کو دیکھتے ہوئے لائبریری کے اندر چلی گئی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ بھی وہیں آ گیا۔

"آپ باہر فٹ پاتھ پر کیا کر رہے تھے؟" وہ فائقہ کے سامنے بیٹھا تو فائقہ نے دھیمی آواز میں اس سے پوچھا۔

جس دن سے اس نے عمر سے وین کے کرائے کے سلسلے میں مدد لی تھی اس دن کے بعد سے اکثر ان دونوں کے درمیان ہلکی پھلکی بات چیت ہونے لگی تھی۔ یہ گفتگو لائبریری کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے بہت دھیمی آواز میں کی جاتی تھی۔

"وہ میں ذرا ان بچوں کو پڑھا رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اتنا وقت تو ہوتا ہے میرے پاس کہ روزانہ تھوڑی دیر ان لوگوں کو پڑھا دیا کروں تو وہ تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا سیکھ لیں گے۔" عمر نے اس کی بات کا جواب دیا۔

"کون ہیں یہ بچے؟" فائقہ کو تجسس ہوا۔

"دو شربت والے کے بچے ہیں۔ دو موچی کے اور ایک قریبی گیراج میں کام کرنے والا بچہ ہے۔ ابھی چار دن پہلے میری ان لوگوں سے بات ہوئی تو معلوم ہوا کہ بچے کسی اسکول وغیرہ نہیں جاتے۔ میں نے کہا بچوں کو میں تھوڑی دیر پڑھا دوں گا۔ شربت والا تو روزانہ اپنی مدد کے لیے دونوں بچوں کو ساتھ لے کر آتا ہے۔ موچی کا گھر بھی زیادہ دور نہیں ہے اس لیے اس کے بچے بھی آرام سے پہنچ گئے۔ میں چاروں بچوں کو لے کر پڑھانے بیٹھا تو گیراج پر کام کرنے والا بچہ بھی آ گیا کہ میرے استاد سے بات کر کے مجھے بھی تھوڑی دیر پڑھا دیا کریں۔ گیراج کا مالک ذرا مشکل سے مانا مگر مان گیا۔ بس اس طرح ہمارا اسکول شروع ہو گیا۔" عمر نے مزے سے اسے سارا قصہ سنایا۔

"آپ خود پڑھنے کے علاوہ کیا کرتے ہیں عمر؟" فائقہ نے تجسس سے پوچھا۔

اسے خیال آیا تھا کہ ہو سکتا ہے عمر کا تعلق کسی بہت خوش حال گھرانے سے ہو اور وہ ہر طرح کی فکر سے آزاد اپنی تعلیم سے بچ جانے والا وقت اس قسم کی سرگرمیوں میں گزار دیتا ہو۔

"پڑھنے کے علاوہ میں پڑھاتا ہوں اور لکھتا ہوں۔ کلفٹن کے علاقے میں ایک اچھی اکیڈمی میں دو بچوں کے لیے میتھس اور فزکس کی گروپ ٹیوشن دیتا ہوں جس سے اچھی خاصی انکم ہو جاتی۔ اخبارات اور رسالوں میں آرٹیکلز بھی چھپتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی فکشن پر بھی طبع آزمائی کر لیتا ہوں۔" وہ یقیناً فائقہ کے سوال کا مقصد سمجھ گیا تھا۔

"پھر تو آپ بہت مصروف رہتے ہوں گے۔ آپ کے گھر والے اعتراض نہیں کرتے؟" فائقہ نے پوچھا تو اس کے چہرے پر سایا سا لہرا گیا پھر وہ خود کو سنبھالتے ہوئے ہوا آہستہ سے بولا۔

"گھر میں کوئی ہے ہی نہیں تو اعتراض کون کرے گا۔ والد صاحب کا ساتھ بہت بچپن میں ہی چھوٹ گیا تھا۔ امی کا بھی پچھلے سال انتقال ہو گیا۔ بہن بھائی کوئی ہے ہی نہیں تو بس سمجھو میرے پاس فرصت ہی فرصت ہے۔"

"فرصت کا میسر ہونا کوئی کمال کی بات نہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ آپ اپنی فرصت کو بڑے اچھے طریقے سے استعمال کرنا جانتے ہیں۔ میرے خیال میں تو آپ ہی قائداعظم کے وہ نوجوان ہیں جن پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ ملک کی ترقی اور استحکام کی طرف سے اچھی امید رکھتے تھے۔"

فائقہ نے اس کی تنہائی کے درد کو بہت شدت سے اپنے دل میں محسوس کیا تھا مگر اس پر کچھ بھی ظاہر کیے بغیر بشاشت سے اظہار خیال کیا۔ فائقہ کی بات سن کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

فائقہ یہی مسکراہٹ تو اس کے چہرے پر دیکھنا چاہتی تھی جس کے پھیلتے ہی اس کا گہری سانولی رنگت اور عام سے نقوش والا چہرہ بہت روشن لگنے لگتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کل ان سارے سوالوں کی پریکٹس کر کے آنا ہے اور ان میں اپیلی کیشن بھی یاد کرنی ہے۔ کل آپ لوگ آؤ گے تو پہلے میں آپ کا ٹیسٹ لوں گی پھر آگے پڑھائی ہو گی۔" فائقہ نے ہدایات دیں تو وہ تینوں بچے بہت فرمانبرداری سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسے سلام کر کے باہر نکل گئے۔

"بہت سمجھ دار اور ذہین بچے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت ٹھیک طرح سے ہو گئی تو ثریا باجی کے سارے غم اور پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔ بے چاری اتنی محنت سے سلائی کر کے ان بچوں کو پڑھا رہی ہیں اللہ کرے بڑے ہو کر یہ بچے نیک نکلیں تاکہ ثریا باجی کو ان کی محنت کا صلہ مل جائے۔" بچوں کے باہر نکلنے کے بعد فائقہ نے شاکرہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیا ضرورت پڑی تھی یہ نیا کھڑاگ پالنے کی؟ پوری شام ان کو پڑھانے کے لیے لے کر بیٹھی رہو گی تو کام کاج کون دیکھے گا؟" اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے شاکرہ بیگم نے اسے ٹوکا۔

"بے چارے یتیم بچے ہیں امی! ثریا باجی کی اتنی حیثیت نہیں کہ انہیں کہیں ٹیوشن پڑھنے کے لیے بٹھا سکیں۔ خود وہ اتنی زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہیں کہ بچوں کی مدد کر سکیں۔ گورنمنٹ اسکولوں کا تو آپ کو حال معلوم ہی ہے ڈھنگ سے پڑھائی ہوتی نہیں ہے۔ اگر بچوں کو ان کے اپنے گھر میں کوئی پڑھانے والا نہ ہو تو بے چارے ذہانت ہونے کے باوجود کسی قابل نہیں بن پاتے ہیں۔ پچھلی بار ثریا باجی کے پاس کپڑے سینے دینے کے لیے گئی تھی تو ان کی پریشانی دیکھ کر میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ بچوں کو میرے پاس بھیج دیا کریں۔ میں میتھس، انگلش اور سائنس میں ان کی مدد کر دوں گی۔ بہت اچھے بچے ہیں صرف ایک گھنٹہ بھی دوں گی تو ان کے لیے کافی ہو گا۔ آپ گھر کے کاموں کی طرف سے پریشان نہ ہوں۔ میں سب کام وقت پر نمٹا دوں گی۔ اب بھی میں درمیان میں اٹھ کر چولہے پر گوشت چڑھا آئی تھی۔ تھوڑی دیر میں سالن تیار ہو جائے گا۔"

فائقہ نے ثریا باجی کے مسائل بتا کر امی کو سمجھانے کے ساتھ ساتھ گھر کے کاموں کی طرف سے بھی ان کو تسلی دی۔

"تم بہت خود مختار ہوتی جا رہی ہو فائقہ! بچوں کو ٹیوشن دینے کا یہ سلسلہ شروع کرنے سے پہلے کم از کم تمہیں مجھ سے اجازت تو لینی چاہیے تھی۔ محلے والے کیا سوچیں گے کہ عبدالوہاب صاحب بیٹی کو جیب خرچ پورا نہیں دیتے شاید اس لیے اسے ٹیوشن پڑھانی پڑ رہی ہے۔" شاکرہ بیگم کی سوچ کا اپنا زاویہ تھا جس سے وہ معاملے کا بالکل مختلف رخ دیکھتی ناراضی کا

اظہار کرنے لگیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں امی! بھلا ثریا باجی کے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا ہوا دیکھ کر کون ایسا سوچ سکتا ہے؟ سب کو ہی ان کے حالات معلوم ہیں اور اگر کوئی ایسا سوچ رہا ہے تو سوچنے دیں ہم جو عمل اللہ کی رضا کے لیے کر رہے ہیں اس کی وجہ سے بھلا دنیا والوں سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں آپ سے اجازت نہ لینے کی غلطی البتہ ہو گئی ہے تو پلیز اس کے لیے معاف کر دیں۔" فائقہ نے فوراً" ہی اپنے دونوں کان پکڑ لیے۔

"ہٹو اب یہ بے کار کی چونچلے بازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے اپنی من مانی کر لی اب جھوٹ موٹ کی معافیاں مانگی جا رہی ہیں۔" شاکرہ بیگم نے بیزاری کا اظہار کیا۔

"کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں نے کوئی بہت غلط کام کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں ثریا باجی سے معذرت کر لیتی ہوں۔" فائقہ کا چہرہ مرجھا گیا اور وہ بجھی ہوئی آواز میں بولی۔

"خیر اب یہ بھی اچھا نہیں لگتا کہ کسی کی آس باندھ کر توڑ دو۔ تم نے ہامی بھر ہی لی ہے تو اب آنے دو بچوں کو پڑھنے کے لیے۔" شاکرہ بیگم اس کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر نرم پڑ گئیں۔

"تھینک یو امی!" فائقہ کے چہرے کی رنگت فوراً" بحال ہوئی اور وہ شاکرہ بیگم کے شانے سے لگتے ہوئے خوشی سے بولی۔

"کبھی امی کو بھی یہ تھینک یو بولنے کا موقع دے دیا کرو۔ کتنے عرصے سے کہہ رہی ہوں کہ اپنے جہیز کے لیے ایک بیڈ شیٹ ہی کاڑھ دو۔ مانا کہ بازار میں بہترین چیزیں ملتی ہیں لیکن لڑکی کے اپنے ہاتھ سے بنی ہوئی کوئی چیز جہیز میں ہو تو جہیز سج سا جاتا ہے۔" شاکرہ بیگم نے موقع دیکھ کر فوراً" اسے ٹوکا۔

"اچھا ٹھیک ہے کر دوں گی آپ کی یہ خواہش پوری۔ آپ ابا سے کہہ کر کپڑا منگوا لیجئے گا۔" وہ امی کے مان جانے پر بہت خوش تھی اس لیے فوراً" رضا مندی دے دی۔

☆ ☆ ☆

"آپ کے فٹ پاتھ والے اسکول کی آبادی بڑھ گئی ہے۔ آج میں نے دیکھا تھا دو بچے زا آ رہے تھے۔"

"ہاں کل ہی ایک عورت نے مجھ سے بات کہ اس کے دو بچوں کو بھی پڑھا دیا کروں۔ بے خود گھر گھر صفائی ستھرائی اور کپڑے، برتن وغیرہ کا کام کرتی ہے۔ شوہر نکھٹو ہے نہ کماتا ہے اور بچوں کو دیکھتا ہے۔ بچے سارا دن گلیوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ کچھ دیر بیٹھ کر پڑھ لیا کریں تھوڑی سی تمیز ہی آ جائے گی۔ مجھے کیا اعتراض ہو تھا۔ جہاں پانچ بچے پڑھ رہے ہیں وہاں دو اور بیٹھ جا گے۔" عمر نے اپنے مخصوص بے نیاز انداز میں کی بات کا جواب دیا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی او بڑے جذب سے بولی۔

"آپ بہت اچھے انسان ہیں عمر! آپ جیسے اس لائق ہوتے ہیں کہ انہیں اپنا آئیڈیل دوسرے لوگ ان کی پیروی کریں۔"

"یہ تو تمہارا خیال ہے ورنہ لوگ تو مجھے کسی ہی نہیں سمجھتے۔" عمر نے بجھی ہوئی مسکراہٹ ساتھ اس کی بات کا جواب دیا لیکن وہ کسی اور کیف میں تھی چنانچہ اس کی طرف دھیان دیے بغیر رہی۔

"پتا ہے میں نے آپ کو پہلی بار اس لائبریری باہر ہی دیکھا تھا۔ آپ ایک بابا جی کو سڑک پار کروا تھے پھر اس کے بعد بھی میں اکثر آپ کو ایسا ہی کوئی کرتے ہوئے دیکھتی رہی اور آپ سے متاثر رہی۔ کبھی آپ کسی کا وزن اٹھانے میں مدد ہوئے نظر آئے، کبھی میں نے آپ کو باہر فٹ پا بیٹھ کر کسی ان پڑھ شخص کے لیے خط یا درخوا لکھتے ہوئے دیکھا۔ ایک بار میں نے آپ کو ش والے کی جگہ کھڑے ہو کر شربت بھی بیچتے دیکھا

میں نے شربت والے کے بچے سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کے والد بیمار ہیں اس لیے آپ نے اس کی ذمے داری سنبھال لی ہے۔ آپ دوسرے کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اپنی جیبیں خالی کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ میں نے آپ کو جس سے بھی بات کرتے دیکھا ہمیشہ بہت نرمی سے بات کرتے دیکھا مجھے لگتا ہی نہیں ہے کہ آپ کو کبھی غصہ بھی آتا ہو گا۔ اتنے نرم، ہمدرد اور مہربان شخص کو آئیڈیل نہ سمجھا جائے تو پھر کیا کیا جائے؟" جذب بھری کیفیت میں بولتی فائقہ کی آنکھوں میں کوئی ایسی تحریر تھی جس نے عمر کو ٹھٹکا دیا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو فائقہ! میں بالکل بھی کوئی خاص آدمی نہیں۔ میں ایک بہت معمولی سا شخص ہوں، جس کا تمہارے اس معاشرے میں کوئی مقام ہے اور نہ ہی عزت، تم ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے متاثر ہو کر مجھے اتنے بلند مرتبے پر مت فائز کرو کہ بعد میں خود تمہیں ہی پچھتاوا ہو۔"

اس کے لہجے میں عجیب سی سختی اور روکھا پن تھا جسے محسوس کرکے فائقہ اپنی کیفیت سے نکل آئی لیکن وہ اس دوران اپنی کتابیں وغیرہ سمیٹ کر وہاں سے روانہ ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہی جانا پہچانا سا منظر تھا۔ نیم کے درخت کے سائے میں لائبریری کے ساتھ والے فٹ پاتھ پر چادر بچھا کر بچوں کے درمیان بیٹھا عمر پورے انہماک سے انہیں پڑھانے میں مصروف تھا۔ پچھلے پانچ دن سے سارے منظر جوں کے توں تھے اگر کچھ بدلا تھا تو عمر کا اس کے ساتھ رویہ۔

پانچ دنوں میں عمر نے اس سے ایک بار بھی بات نہیں کی تھی۔ وہ لائبریری آتا تھا لیکن اس سے مخاطب نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے بیٹھنے کے لیے فائقہ کی میز سے ہٹ کر کسی دوسری میز کا انتخاب کرتا تھا۔ فائقہ اس کے رویے کی اس تبدیلی کی وجہ نہیں سمجھ پا رہی تھی بس اسے یہ لگ رہا تھا کہ عمر جان بوجھ کر اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن سوال وہی تھا کہ آخر وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟

آج فائقہ گھر سے فیصلہ کرکے آئی تھی کہ عمر سے اس کے رویے کی اس تبدیلی کا سبب پوچھ کر رہے گی۔ لائبریری کی ریڈنگ روم میں تو ایسا کرنا اس لیے ممکن نہیں تھا کہ عمر اپنے لیے ایسی میز کا انتخاب کرتا تھا جہاں پہلے سے کچھ اور لوگ بیٹھے ہوں چنانچہ فائقہ نے کمال جرات مندی کا مظاہرہ کیا اور حسب معمول سیدھی لائبریری کے اندر جانے کے بجائے نیم کے درخت کے نیچے بچھی چادر کے ایک کونے پر خود بھی ٹک گئی۔

اسے وہاں بیٹھتے دیکھ کر بچوں کے ساتھ ساتھ عمر بھی چونک پڑا مگر وہ کچھ بھی ظاہر کیے بغیر ایک بچے کے ہاتھ سے کاپی لے کر دیکھنے لگی۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہو فائقہ؟ یہ جگہ تمہارے بیٹھنے کے لیے مناسب نہیں۔" آخر عمر کو اسے ٹوکنا پڑا۔

"ہے، یہ جگہ بالکل مناسب ہے کیونکہ یہاں میں آپ سے بات کر سکتی ہوں۔" فائقہ نے کچھ سخت لہجے میں عمر کی بات کا جواب دیا۔

"بات ہم اندر بیٹھ کر بھی کر سکتے ہیں۔ تم اندر چلو میں ان لوگوں کو فارغ کرکے وہیں آتا ہوں۔" عمر نے حسب عادت نرم لہجے میں اس سے کہا تو وہ مزید ضد نہ کر سکی اور وہاں سے اٹھ کر اندر چلی گئی مگر ریڈنگ روم کا رخ کرنے کے بجائے لائبریری کے مختصر سے لان میں ایک سنگی بینچ پر ٹک گئی۔

بیس منٹ کے انتظار کے بعد اسے عمر گیٹ سے اندر آتے ہوئے دکھائی دیا۔ وہ اسے بینچ پر بیٹھے ہوئے دیکھ چکا تھا چنانچہ خود بھی وہیں آگیا اور اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں بھئی بولو کیا مسئلہ ہے؟" اس کا لہجہ پہلے ہی کی طرح ہموار اور خوش گوار تھا۔ فائقہ کو رونا آنے لگا لیکن وہ اپنے آنسوؤں کو قابو میں رکھتے ہوئے اسی کی طرح ہموار لہجے میں بے نیازی سے بولی۔

"کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ بس مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔"

"تو اس کے لیے باہر فٹ پاتھ پر آکر بیٹھنے کی حماقت کرنے کی کیا ضرورت تھی! میں روزانہ ہی تو لائبریری آتا ہوں تم کبھی بھی مجھ سے بات کر سکتی تھیں۔" عمر کے انداز میں وہی بے نیازی تھی۔

"آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں عمر! میں پورے پانچ دن سے وہ وجہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہوں، جس کی وجہ سے آپ کا رویہ بدل گیا ہے لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ آپ کیوں ایسے ہو گئے ہیں۔" اس بار وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکی اور آنسوؤں کے قطرے ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے گرنے لگے۔

"ارے۔ کیا ہو گیا ہے فائقہ! آخر تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟" عمر اس کے رونے پر گھبرا گیا۔

"میں ایسا آپ کے رویے کی وجہ سے سوچ رہی ہوں۔ آپ بتائیں کہ آپ نے پچھلے پانچ دن سے مجھ سے بات کیوں نہیں کی؟ کیوں آپ روزانہ میری ٹیبل پر آنے کے بجائے کسی دوسری ٹیبل پر جا بیٹھتے ہیں؟"

"میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ وہ جن کے ساتھ میں آج کل بیٹھ رہا ہوں، میرے ہی سبجیکٹ کے لوگ ہیں میں ان کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کرنے کے خیال سے بیٹھ رہا تھا اگر تمہیں برا لگا ہو تو سوری۔" عمر کا لہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ وہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے مگر فائقہ نے اس کا یہ بہانہ قبول کر لیا اور آہستہ سے بولی۔

"مجھے آپ کی سوری کی ضرورت نہیں ہے عمر! نہ ہی میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ میرے علاوہ کسی کے ساتھ نہ بیٹھیں لیکن آپ کو مجھے بتانا تو چاہیے تھا۔"

"اچھا بابا! کہہ دیا نا کہ غلطی ہو گئی اب آئندہ ایسا ہو تو تم خود ہی سمجھ لینا۔ تم دیکھتی تو ہو کہ میں کن کن چکروں میں پھنسا رہتا ہوں۔ آج کل بھی سر پر امتحانوں کے ساتھ ساتھ باہر فٹ پاتھ پر بیٹھ کر پڑھنے والے بچوں کی فکر سوار ہے۔ مجھے اپنی اسٹڈی کے لیے زیادہ وقت چاہیے لیکن ان بچوں کی چھٹی بھی نہیں کرنا چاہتا۔ اگر چھٹیاں مل گئیں تو ان کا دل پڑھائی کی طرف سے اچاٹ ہو جائے گا اور یہ سب کچھ بھول بھال کر میری اتنے دنوں کی محنت ضائع کر دیں گے۔" وہ بہت غیر محسوس طریقے سے اس کا دھیان ہٹانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"بچوں کا کیا مسئلہ ہے؟ جتنے دن آپ اپنے امتحان میں مصروف رہیں گے میں انہیں پڑھا دیا کروں گی۔" فائقہ نے جھٹ پیشکش کی۔

"تم کیسے انہیں باہر فٹ پاتھ پر بیٹھ کر پڑھا سکتی ہو؟"

"باہر فٹ پاتھ پر کیوں؟ یہاں لائبریری کے لان میں بٹھا کر پڑھا دیا کروں گی۔ اگر لوگ اس لان کو ڈیٹنگ پوائنٹ کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں تو ہم معصوم بچوں کی تعلیم کے لیے کیوں استعمال نہیں کر سکتے۔" عمر کے اعتراض پر فائقہ نے ایک بنچ پر قریب قریب بیٹھے ہوئے لڑکا لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چمک کر جواب دیا۔

"پھر بھی ہو سکتا ہے لائبریری کی انتظامیہ اعتراض کرے۔ ایسے کسی اعتراض سے بچنے کے لیے ہی میں باہر فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بچوں کو پڑھاتا ہوں۔"

"میرے خیال میں ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ آپ کی سب سے اتنی اچھی بات چیت ہے، آپ اپنا مسئلہ بتا کر تھوڑے دن کے لیے پرمیشن لے لیجیے گا۔" فائقہ نے اسے حوصلہ دلایا۔

"ٹھیک ہے میں بات کروں گا لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا؟" عمر نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔ میں مینیج کر لوں گی۔ ابھی میرے امتحانات میں وقت ہے۔ میں اپنے اسٹڈی آورز میں سے کچھ وقت نکال کر ان بچوں کو پڑھا دیا کروں گی۔"

"تھینک یو فائقہ!" فائقہ کے جواب پر مطمئن ہوتے ہوئے اس نے مسکرا کر کہا۔

"اس تھینک یو وغیرہ کی فارمیلیٹی کو چھوڑیں اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھیے گا آئندہ ایسی کسی چھوٹی موٹی

ٹینشن کے پیچھے مجھے نظرانداز کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔" فائقہ نے اسے دھمکی دی۔

"اوکے۔ آئندہ کبھی تمہیں نظرانداز کرنے کی غلطی نہیں کروں گا لیکن اگر کبھی تم نے ایسا کیا تو میں کس سے جا کر شکایت کروں' یہ بھی بتادو۔"

"ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ بہت یقین سے بولی۔

"کاش تمہارے معاملے میں قسمت سچ مچ میرے لیے اتنی ہی مہربان ثابت ہو۔" عمر نے چپکے سے اپنے دل میں خواہش کی اور فائقہ کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگا۔

پچھلے پانچ دن وہ اسے نظرانداز کرنے کی جو کوشش کرتا رہا تھا وہ خود اس کے لیے کتنا مشکل کام تھا یہ بات کاش وہ اسے بتا سکتا۔

☼ ☼ ☼

"امتحان ختم ہوگئے آپ کے اب تو رزلٹ آنے تک کچھ دن فراغت رہے گی۔ کیا کریں گے اس عرصے میں؟"

آج بہت دنوں بعد وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے بات کر رہے تھے۔ عمر کے امتحان کے دنوں میں وہ اس کے شاگردوں کو پڑھاتی رہی تھی۔ اس مصروفیت کی وجہ سے خود اس کا اسٹڈی ٹائم مختصر ہوگیا تھا اس لیے وہ اس بچ جانے والے وقت میں پوری سنجیدگی سے اپنی پڑھائی کرتی تھی دوسرے اسے اس بات کا بھی خیال تھا کہ اس سے باتیں کرنے میں عمر کا وقت ضائع نہ ہو اس لیے سلام دعا سے آگے گفتگو کے سلسلے کو جاری رکھنے سے سخت گریز کرتی۔

آج عمر کے امتحانات ختم ہونے کے بعد یہ پابندی ختم ہوگئی تھی۔ عمر نے آج اپنے شاگردوں کو خود پڑھایا تھا۔ اس دوران وہ ریڈنگ روم میں بیٹھ کر اپنے نوٹس وغیرہ بنانے کا کام کرتی رہی تھی اور اب جب عمر بھی اندر آگیا تھا تو اس سے پوچھ رہی تھی۔

"میری پہلے ہی ایک پرائیویٹ کالج والوں سے بات ہوچکی ہے۔ میں ان کے ہاں فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کے اسٹوڈنٹس کو میتھس پڑھاؤں گا۔ تین چار گھنٹے کی جاب ہے جو ٹائم بچے گا اس میں کمیشن کے امتحان کی تیاری جاری رکھوں گا۔ ہاں ایک منصوبہ اور ہے میرے ذہن میں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے پاس پڑھنے والے ان بچوں کے لیے کوئی کمرا کرائے پر لے لوں۔ ایک دو اور لوگوں نے بھی خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھوانا چاہتے ہیں۔ اب فٹ پاتھ پر بیٹھ کر تو اتنے ڈھیر سارے بچے نہیں پڑھائے جاسکتے۔ ویسے بھی اب میری تعلیم کا خرچ ختم ہوگیا ہے اور کچھ مناسب سی جاب بھی مل گئی ہے تو میں ایک کمرے کا کرایہ تو افورڈ کر ہی سکتا ہوں۔ ایڈوانس کے لیے تھوڑی سی رقم کی ضرورت ہوگی تو وہ میں کچھ لکھ لکھا کر جلد ہی جمع کرلوں گا۔ پچھلے دنوں تو امتحان کی تیاری میں مصروف ہونے کی وجہ سے کچھ لکھ ہی نہیں سکا تھا۔ اب فرصت ہے تو جلدی جلدی یہ کام کرلوں گا۔" وہ اپنے مستقبل کے منصوبے بتانے لگا۔

"ایڈوانس کا مسئلہ نہیں عمر! میرے پاس اپنی پاکٹ منی میں سے اچھی خاصی رقم جمع ہے' میں وہ رقم آپ کو لادوں گی آپ فوراً" کوئی کمرا کرائے پر لے لیں۔" فائقہ نے پیشکش کی۔

"نہیں تم رہنے دو۔ میں خود ارینج کرلوں گا۔ پہلے ہی تم نے اچھی خاصی رقم خرچ کردی ہے۔ بچے بتا رہے تھے کہ تم نے انہیں نئی کاپیاں' ڈرائنگ بکس اور کلرز وغیرہ دلوائے ہیں۔ اب تم سے مزید پیسے لینا مجھے اچھا نہیں لگے گا۔" عمر نے سہولت سے انکار کیا۔

"کیوں اچھا نہیں لگے گا؟ ویسے بھی میں وہ پیسے کوئی آپ کے لیے تو نہیں دوں گی۔ وہ تو ان بچوں کے لیے ہوں گے' ہاں اگر آپ یہ سمجھتے ہوں کہ ساری نیکیاں کرنے کا حق صرف آپ کو حاصل ہے تو الگ بات ہے۔" وہ خفا ہوئی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ تمہیں بہت شوق ہے اپنی مرضی کے مطلب نکال کر خفا ہونے کا۔ میں تو تمہیں صرف اس لیے منع کر رہا ہوں کہ اس طرح بے حساب رقم خرچ کرنے سے تمہارے گھر والے خفا ہوں گے۔ تمہارے کوئی تم میری طرح تن تنہا تو ہو نہیں کہ کوئی تم سے حساب لینے والا نہ ہو۔" عمر نے اپنے انکار کی وجہ بیان کی۔

"وہ میرا مسئلہ ہے۔ ویسے بھی گھر میں سب کو معلوم ہے کہ میں اپنی پاکٹ منی کس طرح کے کاموں میں خرچ کرتی ہوں۔ سب مجھے تھوڑا بہت سمجھا بجھا کر چپ ہوجاتے ہیں۔ حساب کتاب بہرحال کوئی نہیں لیتا۔"

"چلو پھر ٹھیک ہے۔ تم پیسے لے آنا۔ ہمارے اس فٹ پاتھ اسکول کی باقاعدہ کسی چار دیواری میں منتقلی میں تمہارے پیسے لگیں گے تو مجھے امید ہے کہ اللہ اس کام میں بہت برکت ڈالے گا۔" عمر نے آخر رضا مندی دے دی۔

"عمر! کیا میں بھی آپ کے اس اسکول میں پڑھا سکتی ہوں؟" فائقہ نے ذرا جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"اگر تمہیں کوئی مشکل نہ ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ابھی تو میں صرف لڑکوں کو ہی پڑھا رہا ہوں۔ اچھا ہے تم آجاؤ گی تو ہم لوگوں سے اپنی بچیوں کو بھی پڑھنے کے لیے بھیجنے کا کہہ سکیں گے۔ لائبریری کے پیچھے جو کچی آبادی ہے وہاں کئی ایسے گھرانے ہیں جنہیں تھوڑا سا بھی بریف کیا جائے تو وہ اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے راضی ہوجائیں گے۔" عمر اس کی پیشکش پر خوش ہوگیا۔

"بس ٹھیک ہے جب آپ کمرے کا انتظام کرلیں گے تو میں وہاں ایک گھنٹے کے لیے پڑھانے آجایا کروں گی' باقی کا ایک گھنٹہ لائبریری میں بیٹھ کر اپنی پڑھائی کروں گی جیسا کہ ابھی آپ کے امتحان کے دنوں میں کرتی رہی ہوں۔" فائقہ نے فوراً" منصوبہ بندی کرلی۔

"بچے تمہارے آنے سے خوش ہوجائیں گے۔ ان تھوڑے سے دنوں میں ہی وہ تم سے بہت مانوس ہوگئے ہیں۔ مجھ سے تمہاری بہت تعریفیں کر رہے تھے۔ میں نے نوٹ کیا ہے کہ ان کی پروگریس بھی اچھی رہی ہے۔" عمر کے یہ جملے اس کے لیے کسی بڑے سے بڑے ادارے سے ملنے والے تعریفی سرٹیفکیٹ سے بڑھ کر تھے۔

عمر کے شاگردوں کو پڑھانے کی ذمہ داری اس نے بہت دل لگا کر نبھائی تھی' اب عمر تعریف کر رہا تھا تو لگتا تھا ساری محنت وصول ہوگئی ہو۔

☼ ☼ ☼

"فائقہ کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ نے امی؟ کسی رشتے والی سے بات کریں کہ اس کے لیے کوئی رشتہ دکھائے۔ یہی عمر ہوتی ہے جب لڑکیوں کے لیے اچھے رشتے مل جاتے ہیں ورنہ پھر بعد میں پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔" صائمہ میکے آئی ہوئی تھی۔ ادھر ادھر چیزیں سمیٹتی فائقہ کو دیکھ کر ماں سے کہنے لگی۔

"ہاں آج کل میں بھی اس بارے میں سوچ رہی ہوں۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ اسے اور غفران کو ساتھ ساتھ نمٹاؤں۔ یہ بیاہ کر اپنے گھر جائے گی تو غفران کی بیوی آکر گھر سنبھال لے گی۔ اب میری ہمت نہیں ہوتی اکیلے سارا گھر سنبھالنے کی۔" شاکرہ بیگم نے ابھی اس کی گویا حمایت کی۔

"آپ فائقہ کے لیے کہیں کوشش کریں بھائی کا کوئی مسئلہ نہیں ہم جہاں بھی رشتہ ڈالیں گے لوگ بیٹی دینے پر راضی ہوجائیں گے۔ اصل مسئلہ تو لڑکیوں کا ہوتا ہے کہ فائقہ کی کہیں بات ٹھہر جائے تو پھر ہم فنا فٹ بھائی کے لیے بھی کوئی لڑکی دیکھ لیں گے۔" صائمہ کی عمر زیادہ نہیں تھی لیکن شادی کے بعد وہ خود کو بہت مدبر سمجھنے لگی تھی۔ شاکرہ بیگم بھی اس کے مشوروں پر بھروسا کرتی تھیں۔

"آپ لوگ بھائی کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی تلاش کرکے ان کی شادی کردیں۔ میرا تو ابھی بی اے کا پہلا سال بھی مکمل نہیں ہوا۔ اپنا بی اے مکمل ہونے سے پہلے میں اس شادی وادی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی۔" فائقہ کے کانوں میں بھی ان لوگوں کی ساری باتیں پڑ رہی تھیں چنانچہ گفتگو کی سنجیدگی کو دیکھتے

ہوئے اس نے اپنی دخل اندازی ضروری سمجھی۔

"رہنے دو۔ کچھ نہیں ہوتا اس بی اے وی اے سے میری بھی تو انٹر کے فوراً" بعد شادی ہوگئی تھی۔ میاں اچھا کمانے کھلانے والا ہو یہ کافی ہوتا ہے۔ بڑی بڑی ڈگریوں کی انہیں ضرورت ہوتی ہے جنہیں باہر نکل کر نوکریاں کرنی ہوں۔ ہمیں کیا مسئلہ ہے؟ اللہ کے کرم سے میکے میں بھی سب کچھ میسر رہا۔ شوہر کے گھر بھی کوئی کمی نہیں۔ تمہارے لیے بھی ہم توفیق جیسا ہی رشتہ ڈھونڈیں گے۔" صائمہ کی سوچ محدود تھی اور وہ اسی حساب سے بات کرتی تھی۔

"تعلیم صرف کمانے کے لیے تو حاصل نہیں کی جاتی؟ تعلیم سے تو انسان کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ خاص طور پر عورت کے لیے تعلیم کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ پڑھی لکھی عورت اپنے بچوں کی زیادہ اچھی طرح تربیت کرسکتی ہے۔" فائقہ نے صائمہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہیں' ہیں..... یہ کیا تم بے شرمی سے جو منہ میں آرہا ہے بولتی جارہی ہو۔ غضب خدا کا کنواری لڑکی بیٹھ کر بڑی بہن اور ماں کے سامنے پٹر پٹر اپنی شادی تو شادی بچوں تک کا ذکر کررہی ہے اور ذرا لاج نہیں آرہی۔" شاکرہ بیگم نے بات کو بالکل مختلف رخ پر لے جاتے ہوئے اسے بری طرح ڈانٹا تو وہ جھینپ کر خاموش ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے آج کل تم کچھ چپ چپ سی رہنے لگی ہو؟" وہ اور عمر ساتھ ساتھ چلتے لائبریری کی طرف آرہے تھے' جب عمر نے اس سے پوچھا۔

بچوں کو پڑھانے کے لیے عمر نے جو کمرا کرائے پر لیا تھا وہ لائبریری سے پیدل کے ہی فاصلے پر تھا۔ فائقہ گھر سے سیدھی پہلے وہاں پہنچتی تھی۔ عمر اس سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہی آچکا ہوتا تھا۔ فائقہ کا ایک گھنٹہ پورا ہونے کے بعد وہ دونوں ساتھ لائبریری آجاتے تھے۔ عمر اپنے کمیشن کے امتحان کی تیاری کررہا تھا۔

فائقہ کو مدد کی ضرورت ہوتی تو اسے بھی پڑھا دیتا۔ وہ دونوں اس عرصے میں ایک دوسرے کا مزاج سمجھنے لگے تھے۔ اس وقت بھی عمر نے فائقہ سے اسی لیے سوال کیا تھا کہ وہ محسوس کررہا تھا کہ آج کل وہ کچھ بجھی بجھی سی ہے۔

"تم نے بتایا نہیں کہ کیا پریشانی ہے؟" فائقہ کو خاموش دیکھ کر عمر نے اپنا سوال دہرایا۔

"میں صائمہ باجی کی وجہ سے پریشان ہوں۔ اچانک ہی ان پر بھوت سوار ہوگیا ہے کہ اب میری شادی ہوجانی چاہیے انہوں نے امی کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا ہے۔ اب آئے دن وہ کوئی نہ کوئی رشتہ لے کر گھر پہنچ جاتی ہیں۔ میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتی۔ ابھی مجھے پڑھنا ہے۔" فائقہ نے مختصراً" اپنا مسئلہ بتایا۔

"تو اس میں کیا مسئلہ ہے اگر کوئی اچھا رشتہ مل جاتا ہے تو منگنی کروالو شادی دو تین سال بعد اپنی تعلیم مکمل ہونے کے بعد کرلینا۔" عمر نے مشورہ دیا۔

اس مشورے پر فائقہ نے اس پر ایک شکوہ کناں نظر ڈالی اور پھر رخ موڑ لیا۔ لائبریری تک کا باقی راستہ ان دونوں نے خاموشی سے گزارا۔

"فائقہ! ذرا رکو۔ آج تھوڑی دیر یہاں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" لائبریری کے گیٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد وہ حسب معمول پہلی منزل کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی جب عمر نے اس سے فرمائش کی۔ فائقہ چپ چاپ اس کے ساتھ چلتی اس بینچ کی طرف بڑھ گئی جس کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔

"کیا بات کرنی تھی آپ کو؟" بینچ پر آبیٹھنے کے بعد بھی جب وہ مسلسل خاموش رہا تو فائقہ نے اس سے پوچھا۔ اس کی آواز میں محسوس کی جانے والی خفگی تھی۔

"ہاں..... بس میں سوچ رہا تھا کہ ہم اتنے دنوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں لیکن ہم نے کبھی ایک دوسرے کو اپنے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں۔"

"تو اب بتا دیتے ہیں۔ ویسے تو میرے خیال میں اس

بات کی اتنی خاص ضرورت نہیں ہے۔" وہ بدستور بدظن سی ہوئی تھی۔

"نہیں' آج میں اس بات کی ضرورت محسوس کررہا ہوں کہ کم از کم میرا فیملی بیک گراؤنڈ تمہیں معلوم ہونا چاہیے ورنہ ہوسکتا ہے کہ کسی دن تم مجھ سے شکوہ کرو۔" عمر بہت سنجیدہ تھا۔

فائقہ کو کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ عمر کے کسی انکشاف کا انتظار کرنے لگی۔

"میرے والدین معاشرے کے اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جنہیں تم لوگ نہایت حقارت سے بھنگی کہتے ہو۔ کوئی مہذب شخص ہو تو وہ خاکروب کا لفظ استعمال کرلیتا ہے۔ میرے والد صبح اذانوں سے بھی پہلے گھر سے نکل کر شہر بھر کی سڑکوں اور گلیوں میں جھاڑو لگانے کا کام شروع کردیتے تھے۔ میری ماں کا تعلق ان کے خاندان سے ہی تھا۔ میری ماں اپنے خاندان کی لڑکیوں میں سب سے زیادہ خوب صورت تھی۔ میرے والد سے ان کی شادی ہوئی تو انہوں نے اپنی خوب صورت بیوی سے سڑکوں پر جھاڑو لگانے کا کام کروانا مناسب نہیں سمجھا۔ مگر اچھی گزر بسر کے لیے میری ماں کا کچھ نہ کچھ کام کرنا تو ضروری تھا۔ وہ لوگوں کے گھروں میں صفائی ستھرائی اور کپڑے دھونے کا کام کرنے لگی۔ وہ جن گھروں میں کام کرتی تھی وہاں اس نے اپنی حقیقت نہیں بتائی تھی ورنہ کوئی اس سے اپنے گھر کا کام کروانا پسند نہ کرتا۔ خود میری ماں دیکھنے میں ایسی تھی کہ لوگ یہی گمان کرتے تھے کہ وہ کسی غریب لیکن اچھے گھر کی عورت ہے۔

ماں جن گھروں میں کام کرتی تھی ان میں سے ایک گھر میں باقاعدگی سے درس دیا جاتا تھا۔ دادی کہہ کر پکاری جانے والی وہ خاتون جو درس دیتی تھیں بہت اچھی طبیعت کی مالک تھیں۔ میری ماں اکثر ان کا درس سننے بیٹھ جاتی۔ آہستہ آہستہ وہ اسلام سے متاثر ہونے لگی۔ آخر ایک دن اس نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کرلیا اور دادی کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

دادی سمیت گھر کے دیگر افراد اس بات سے تو واقف تھے کہ میری ماں غیر مسلم ہے مگر وہ خاکروبوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے یہ بات اس روز دادی کے تفصیلی سوال جواب کی صورت کھلی۔ دادی نے میری ماں کو ساری اونچ نیچ سمجھائی خاص طور پر یہ بات کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اسے اپنے شوہر کو چھوڑنا پڑے گا۔ ماں کا فیصلہ مضبوط تھا اس نے یہ بات بھی منظور کرلی۔

دادی نے ماں کے ارادے کی مضبوطی دیکھتے ہوئے ان کے قبول اسلام کا انتظام کروایا مگر اس نیک کام کے بعد میری ماں کی زندگی بہت بڑی آزمائش کا شکار ہوگئی۔ ان کے بارے میں یہ بات جان لینے کے بعد کہ وہ خاکروبوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں' سب لوگوں نے ان سے اپنے گھر کے کام کاج کروانا چھوڑ دیے۔

دادی کے اپنے گھر میں بھی یہی صورت حال تھی۔ دادی کی بہوئیں اور بیٹیاں ہرگز راضی نہیں تھیں کہ ماں ان کے گھر کام کرے۔ ماں بے چاری عجیب مشکل میں پھنس گئی۔ شوہر کا گھر چھوڑ چکی تھی اور اب کہیں اور بھی ٹھکانہ نہیں مل رہا تھا۔ ان دنوں میں پیدا ہونے والا تھا۔ دادی نے گھر والوں کو سمجھا بجھا کر اس بات پر راضی کرلیا کہ بچے کی پیدائش تک اس بے چاری کو یہیں رہنے دو۔

ماں کو ایک تنگ سا اسٹور رہنے کے لیے دے دیا گیا۔ اس کے کھانے پینے کے برتن الگ کردیے گئے۔ دادی بے چاری اپنے بڑھاپے کے باوجود اس بات کا خیال رکھتیں کہ ماں کو کھانا ڈھنگ سے ملتا رہے۔ میری پیدائش کے بعد گھر والوں نے دوبارہ میری ماں کو نکالنے پر زور دینا شروع کردیا۔ اس بار دادی بھی ان کے سامنے نہ ڈٹ سکیں۔ انہوں نے ماں کو کچھ رقم دے کر اپنے گھر سے رخصت کردیا۔

میری ماں نے مناسب سمجھا کہ وہ کسی دوسرے شہر میں جاکر بس جائے اس شہر میں تو اسے میرے باپ اور اپنی برادری کے لوگوں کی طرف سے دھڑکا ہی لگا رہتا

تھا۔ چنانچہ وہ مجھے لے کر لاہور چلی گئی۔ دادی کی دی ہوئی رقم سے اس نے ایک کمرا کرائے پر لیا اور لوگوں کے گھروں میں کام کاج کر کے گزر بسر کرنے لگی۔ گھر پر مجھے سنبھالنے والا تو کوئی تھا نہیں' اس لیے ماں مجھے اپنے ساتھ ہی لے کر جاتی تھی۔

میں شکل و صورت میں بالکل اپنے باپ پر تھا۔ ماں کی خوب صورتی کا ذرا سا بھی حصہ مجھے نہیں ملا تھا۔ لوگ دیکھتے تو ماں سے طرح طرح کے سوال کرتے۔ ماں کو پچھلا تجربہ یاد تھا اس لیے اس نے کسی کو اپنے ماضی کے بارے میں سچ نہیں بتایا۔ وہ خود کو ایک بیوہ اور لاوارث عورت ظاہر کرتی رہی لیکن چند سال سے زیادہ ماں کی حقیقت نہیں چھپ سکی۔

برادری کے کسی فرد نے ماں کو لاہور میں دیکھ لیا اور اس کے پیچھے ان گھروں میں سے جہاں ماں کام کرتی تھی ایک گھر میں پہنچ گیا۔ اس کی وجہ سے کافی ہنگامہ ہوا نتیجہ میری ماں کے نوکری سے محروم ہونے کی صورت میں نکلا۔ ایک تو روزگار کے ذریعے بند ہوئے دوسرے میری ماں کو یہ بھی ڈر ہوا کہ اس کی برادری کے لوگ اسے چین سے نہیں رہنے دیں گے' وہ جن گھروں میں کام کرتی تھی ان کے سامنے روئی گڑگڑائی تو انہوں نے اسے تھوڑی تھوڑی رقم خیرات میں دے دی۔

ماں مجھے لے کر لاہور سے کراچی آگئی۔ میں اس وقت چند سال کا ہی تھا لیکن اپنی ماں کی بے بسی اور کم مائیگی کا درد پوری طرح محسوس کرتا تھا۔ کراچی آکر ماں نے ایک بار پھر لاہور کی طرح گھروں میں کام کاج کرنا شروع کر دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ میں پڑھ لکھ کر اس معاشرے میں کوئی باعزت مقام حاصل کروں اس لیے اس نے مجھے اسکول میں داخل کروا دیا تھا۔

میری تعلیم کا خرچ پورا کرنے کے لیے وہ گھروں میں کام کرنے کے علاوہ کہیں سے کاغذ کے لفافے بنانے کا کام بھی گھر لے کر آتی تھی۔ وہ خود پڑھی لکھی نہیں تھی لیکن مجھے پڑھانے کے لیے ہر جتن کرتی تھی۔ مجھے قرآن پڑھوانے کے لیے ایک مدرسے میں بھی بھیجتی تھی۔ خود اسے بس وہ چند سورتیں ہی یاد تھیں جو دادی نے اپنے گھر میں قیام کے عرصے میں اسے سکھائی تھیں۔

ماں اپنی پر مشقت زندگی کے باوجود کبھی نماز قضا نہیں کرتی تھی۔ مجھے بھی اس نے کم عمری میں ہی نماز کی عادت ڈال دی تھی۔ ماں کی قربانیوں کا مجھے بہت احساس تھا اس لیے میں اس کی خواہش پر بہت دل لگا کر پڑھتا تھا۔ میری یہ بھی کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح ماں کا بوجھ بانٹ سکوں۔ میں لفافے بنانے کے کام میں اس کی مدد کر دیا کرتا تھا۔ چھٹی ساتویں میں پہنچا تو اسکول کے بعد کا وقت میں وقت کریانے کی دکان پر کام کرنے لگا۔

دکان کا مالک اچھا آدمی تھا وہ فارغ وقت میں میرے پڑھائی کرنے پر اعتراض نہیں کرتا تھا۔ ماں میری نوکری کرنے کے خلاف تھی لیکن جب اس نے دیکھا کہ میری پڑھائی پر اس نوکری کا اثر نہیں پڑ رہا تو وہ چپ ہو گئی۔ یوں بھی گھروں میں کام کاج کر کے میری پڑھائی کا خرچہ پورا کرنا اس کے لیے مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے جس دن میٹرک کا امتحان پاس کیا اس دن میری ماں بہت خوش ہوئی۔

میٹرک کے بعد میں نے چھوٹی موٹی ٹیوشنز بھی پڑھانا شروع کر دیں۔ بی ایس سی میں آنے تک میں اس لائق ہو چکا تھا کہ اپنی تعلیم اور اپنے سادگی سے چلنے والے گھر کا خرچ اٹھا سکوں۔ میں نے ماں کو لوگوں کے گھروں میں جا کر کام کاج کرنے سے روک دیا۔ ماں نے میری بات مان لی لیکن وہ گھر بیٹھ کر چھوٹی موٹی مزدوری کرنے لگی۔ میں کبھی ٹوکتا تو کہتی کہ "ساری زندگی مشقت کرنے کی عادت رہی ہے' اس لیے اب فارغ نہیں بیٹھا جاتا۔" مجبوراً مجھے خاموشی اختیار کرنی پڑی مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری ہر دم متحرک رہنے والی ماں اپنے وجود میں کینسر جیسی خطرناک بیماری پال رہی ہے۔ جب تک مجھے علم ہوا سب ختم ہو چکا تھا پھیپھڑوں کا مہلک کینسر اپنی آخری اسٹیج پر تھا۔

میں پھر بھی اپنی ماں کے علاج کے لیے تگ و دو کرنا

چاہتا تھا مگر مجھے اس کی بھی مہلت نہیں ملی' میری ایثار و قربانی کا پیکر ماں مجھے کسی بھی زحمت سے بچانے کے لیے ایک ہفتے کے اندر اندر ہی چل بسی۔ میں اپنے اس واحد رشتے کو کھونے پر بری طرح ٹوٹ گیا تھا لیکن پھر ماں سے کیے ہوئے وعدوں نے مجھے جھنجوڑا اور میں ایک بار پھر زندگی کی دوڑ میں شامل ہو گیا۔ ماں نے اپنی اور میری حقیقت کو سب سے چھپایا تھا لیکن مجھے اس نے ہر ایک بات بتائی اس نے مجھ سے کہا تھا۔

"بیٹا! مجھے یقین ہے کہ ایک دن تم معاشرے میں باعزت مقام ضرور حاصل کرو گے لیکن دیکھو اونچا مقام پا کر کسی غرور میں مبتلا نہ ہو جانا۔ اگر کبھی غرور میں مبتلا ہونے لگو تو اپنے اور اپنے ماں باپ کے ماضی کو یاد کر لینا۔"

ماں کی یہ نصیحت مجھے ہمیشہ یاد رہی۔ خود میرے اندر بڑی محرومیاں تھیں۔ میں رشتوں سے محروم رہا تھا' میری ماں لوگوں کے گھروں میں کام کاج کرنے والی ایک معمولی حیثیت کی عورت تھی اس لیے ہمیں بھی لوگوں سے عزت نہیں ملی' میری شکل و صورت بھی ایسی نہیں تھی کہ کوئی راہ چلتا شخص کبھی مجھے پیار کرکے گزر جاتا کچھ ماں کی نصیحتوں اور تربیت کا اثر تھا اور کچھ میرا احساس محرومی میں خود کو اس روپ میں ڈھالنے کی کوشش کرنے لگا کہ لوگ مجھ سے محبت کریں تم میرے جس روپ سے متاثر ہوتی ہو' وہ اصل میں میری تشنہ آرزوؤں کا نتیجہ ہے ورنہ اصل میں تو میں بہت معمولی آدمی ہوں۔"

وہ ساکت بیٹھی عمر کا ایک ایک لفظ سن رہی تھی۔ آخری جملے آزردگی سے ادا کرنے کے بعد وہ چپ ہوا تو اس پر طاری سکتہ ٹوٹ گیا۔ یکدم ہی اسے ادراک ہوا کہ عمر نے اسے یہ سب کچھ کیوں بتایا ہے؟ وہ فائقہ کے اپنے لیے جذبوں سے ناواقف نہیں تھا مگر اپنا احساس محرومی اور کم مائیگی اسے فائقہ کی طرف بڑھنے سے روکتا تھا۔

وہ جان بوجھ کر اس سے ایسا سلوک کرتا تھا' جیسے وہ اس کے نزدیک ایک دوست سے بڑھ کر کچھ نہ ہو لیکن اب اس نے اپنے بارے میں ہر سچ بتا کر گویا گیند فائقہ کے کورٹ میں پھینک دی تھی۔ اب فائقہ چاہتی تو چپکے سے اپنا راستہ بدل جاتی۔ محمد عمر جیسا شخص اپنی زبان پر ایک حرف شکایت بھی نہ لاتا۔ فائقہ نے اپنا سر پوری طرح گھما کر چپ چپ بیٹھے عمر کی طرف دیکھا۔ وہ اب تک اس شخص کو جس مقام پر دیکھتی رہی تھی محمد عمر درحقیقت اس مقام پر موجود نہیں تھا۔

"آپ نے بہت اچھا کیا عمر! کہ مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ آپ مجھے سچ نہ بتاتے تو میں کبھی آپ کی اصلیت کو نہ پہچان پاتی۔" عمر کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا۔

"میں تمہیں دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا فائقہ! میں کسی کو دھوکا دینے والا شخص نہیں ہوں۔ میری زندگی میں کبھی کسی لڑکی سے اتنی دوستی نہیں رہی لیکن تم میں جانے کیا بات تھی کہ میں چاہنے کے باوجود تمہیں اپنے قریب آنے سے نہیں روک پایا لیکن میری اس بے بسی میں کوئی بدنیتی شامل نہیں تھی۔ میں نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا۔ اب بھی تم کسی اچھے سے لڑکے سے شادی کر کے اس کے ساتھ خوش رہو گی تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔ تمہارے لیے میرے دل میں جو محبت ہے وہ بے لوث ہے۔ اس میں کوئی طلب کوئی غرض شامل نہیں ہے۔" وہ جھکی ہوئی نظروں سے اپنی صفائی دینے لگا۔ فائقہ اس کے الفاظ سن کر تڑپ اٹھی۔

"بس کریں عمر! بس کریں۔ خود کو اتنا بھی بلند نہ کریں کہ آپ انسان سے بڑھ کر کوئی دیوتا دکھائی دینے لگیں پہلے ہی میں شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کی عظمت کو پوری طرح نہیں پہچانا۔ آپ کی ماں ایک عظیم عورت تھیں انہوں نے آپ کو بھی اسی روپ میں ڈھالا۔ آپ کو نہیں معلوم کہ میری نظریں آپ کو کس قدر بلندی پر دیکھ رہی ہیں اور ابھی ابھی جو آپ نے میرے لیے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے اس اظہار کو سن کر میں کتنی مالا مال ہو گئی ہوں' مجھے میری اس خوش قسمتی پر خوش ہونے دیں عمر! مجھ سے کوئی ایسی

بات مت کریں جس میں آپ سے جدائی کا ذکر ہو۔"
فائقہ کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو برس رہے تھے۔ اب وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے بالکل خاموش تھے۔ ان کے دلوں کی دھڑکنیں آپس میں اس طرح ہم آہنگ تھیں کہ لفظوں کی حاجت ہی ختم ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کہاں سے آرہی ہو؟" وہ گھر میں داخل ہی ہوئی تھی کہ شاکرہ بیگم نے سخت لہجے میں اس سے پوچھا۔
"لائبریری سے۔ آپ کو معلوم تو ہے کہ میں روزانہ وہاں جاتی ہوں۔" فائقہ نے حیرت سے جواب دیا۔
"پھر وہ لڑکا کون تھا جس کے ساتھ تم گھوم رہی تھیں؟" شاکرہ بیگم کا لہجہ اور بھی سخت ہو گیا۔
"میں کس لڑکے کے ساتھ گھوم رہی تھی؟" وہ مزید حیران ہوئی۔
"زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے خود تمہیں ایک لڑکے کے ساتھ دیکھا تھا۔ تم اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے لائبریری میں داخل ہو رہی تھیں۔" صائمہ اندرونی کمرے سے نکلی اور تیز لہجے میں بولی۔
صائمہ کی بات سن کر اسے اندازہ ہو گیا کہ صائمہ نے اسے عمر کے ساتھ دیکھ لیا ہے اس صورت میں کوئی بہانہ بنانے یا جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔
"وہ عمر تھا۔ میری طرح وہ بھی روزانہ لائبریری پڑھنے کے لیے آتا ہے۔ وہ بہت نیک اور شریف لڑکا ہے۔"
"اس کی نیکی اور شرافت تو صاف نظر آرہی ہے شاید وہ اپنی نیکی کا مظاہرہ کرنے کے لیے ہی تمہیں لائبریری سے باہر گھمانے لے گیا تھا۔" اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی صائمہ نے درمیان میں ٹانگ اڑا کر طنز کا تیر چلایا۔
"آپ بات کو غلط رخ دینے کی کوشش کر رہی ہیں باجی! عمر مجھے کہیں گھمانے نہیں لے گیا تھا۔ اصل بات صرف اتنی سی ہے کہ عمر نے غریب بچوں کو تعلیم دینے کے لیے لائبریری کے قریب ہی ایک کمرا کرائے پر لیا ہوا ہے۔ میں وہاں اس کے ساتھ مل کر بچوں کو پڑھاتی ہوں پھر ہم دونوں اپنی پڑھائی کے لیے لائبریری آجاتے ہیں۔ میں نے یہ بات آپ لوگوں کو صرف اس لیے نہیں بتائی کہ آپ لوگ پہلے ہی میری ایسی سرگرمیوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ گھر سے باہر جا کر کچی بستی کی بچوں کو پڑھانے کا سنتے تو مجھے جانے ہی نہیں دیتے۔"
صائمہ کا طنز اسے بے حد برا لگا تھا اس لیے خلاف عادت اس نے تیز لہجے میں اس کی بات کا جواب دیا۔
"مان لیا کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن تمہیں جو بھی اس لڑکے کے ساتھ دیکھتا وہ غلط ہی سمجھتا۔ میں خود توفیق کے ساتھ تھی اور مجھے یہ ڈر لگا رہا کہ کہیں وہ تمہیں نہ دیکھ لیں۔ وہ دیکھ لیتے تو کوئی غلط مطلب ہی نکالتے۔ اوپر سے تم نے گھر میں بھی نہیں بتا رکھا۔ گھر والوں سے چھپ کر کوئی کام کرنا کون سی کوئی اچھی بات ہے۔"
صائمہ اس کے تیز لہجے سے ذرا نہیں دبی۔ اس بار وہ خاموش رہی بہرحال اس سے یہ غلطی تو ہوئی ہی تھی۔
"امی! وہ جو پرسوں رشتے والی رشتہ لائی تھی آپ اس پر غور کریں۔ اس کی شادی ہو جائے گی تو اس کے سر سے اس سوشل ورک کا بھوت اتر جائے گا۔"
اسے خاموش پا کر صائمہ نے روئے سخن شاکرہ بیگم کی طرف کر لیا۔
"رشتہ تو اچھا ہے لیکن لڑکا اتنی دور کینیڈا میں رہتا ہے۔ رشتے والی نے صاف کہا ہے کہ رشتہ لانا میری ذمہ داری ہے لیکن چھان بین آپ لوگوں کو خود کرنی ہو گی۔ اب تم بتاؤ اتنی دور بیٹھے لڑکے کی چھان بین کون کرے گا؟" شاکرہ بیگم تذبذب کا شکار تھیں۔
"آپ خواہ مخواہ گھبرا رہی ہیں۔ اتنی لڑکیاں شادی ہو کر باہر ملکوں میں جاتی ہیں اور عیش کرتی ہیں۔ ہم

بھی فائقہ ملک سے باہر چلی جائے کم از کم اسے میری طرح سسرالی رشتوں سے جان چھڑانے کے لیے ہر وقت جوڑ توڑ تو نہیں کرنا پڑے گی۔ چھان بین کے لیے میں توفیق سے کہوں گی وہ اپنے کسی دوست سے کہہ کر کروا لیں گے۔ آپ بس اپنا ذہن بنا لیں اور ہاں اس کا لائبریری وغیرہ جانا بھی بند کرائیں جو پڑھنا ہے گھر میں بیٹھ کر پڑھے۔ شادی ہو جائے گی تو ویسے بھی پڑھنے وڑھنے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔"
صائمہ حکم پر حکم جاری کر رہی تھی اور امی کی خاموشی سے ظاہر تھا کہ وہ اس کی ہم خیال ہیں۔ فائقہ سے اگر انہیں اعتماد میں نہ لینے کی غلطی نہ ہوئی ہوتی تو وہ کچھ احتجاج کرتی لیکن اب تو اسے چپ ہی رہنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"باجی نے سب کو اس کینیڈا والے رشتے کے لیے راضی کر لیا ہے۔ ایک آدھ دن میں میرے گھر والے لڑکے والوں کو ہاں میں جواب دے دیں گے۔ باجی کی باتوں میں آ کر امی مجھے لائبریری بھی نہیں آنے دیتیں۔ آج بھی میں بڑی مشکل سے کتابیں واپس کرنے کا بہانہ کر کے صرف آدھے گھنٹے کے لیے آئی ہوں۔ آپ کچھ کریں عمر! میں اس شخص سے ہرگز بھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔"
وہ کئی دن سے اس کی غیر حاضری کی وجہ سے پریشان تھا۔ آج وہ آئی تھی تو اسے مزید پریشان کر گئی تھی۔ اسے تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی تسلی کے لیے کیا کہے۔
"آپ کچھ کہہ کیوں نہیں رہے عمر! میں اتنی پریشان ہوں اور آپ مجھے دلاسہ تک نہیں دے رہے۔" فائقہ کو اس کی یہ خاموشی چبھی۔
"میری سمجھ نہیں آرہا کہ میں کیا کہوں؟ میرے سامنے تمہارا اچھا مستقبل ہے جو کچھ تمہیں وہ کینیڈا والا دے سکتا ہے میں نہیں دے سکتا۔ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ میری تم سے محبت بے لوث ہے۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں اور یہ ضروری نہیں کہ تم میرے ساتھ ہی خوش رہو۔ مجھ جیسے تہی دست شخص کے مقابلے میں تم اس شخص کے ساتھ زیادہ خوش رہ سکتی ہو۔"
"پلیز عمر! ایسی باتیں مت کریں۔ میں اپنی نسوانی انا کو داؤ پر لگا کر آپ کے سامنے سوال کر رہی ہوں اور آپ خوشی کو روپے پیسے کے ترازو میں تول رہے ہیں۔ آپ جیسا شخص ایسی سوچ رکھ سکتا ہے مجھے یقین نہیں آرہا۔" عمر کے جواب نے فائقہ کو بری طرح ہرٹ کیا۔
"میں تمہارے جذبات کو سمجھتا ہوں فائقہ! لیکن میں دنیا کے اصولوں کو بھی جانتا ہوں۔ مجھ جیسا شخص جس کو ابھی کوئی قابل ذکر ملازمت بھی نہیں ملی جس کا کوئی مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ نہیں۔ ایک کینیڈا میں رہ کر کمائی کرنے والے کے مقابلے میں تمہارے گھر والوں کے لیے کیونکر قابل غور ہو سکتا ہے؟ وہ تو فوراً ہی انکار کر دیں گے انہوں نے اگر میرے لیے ہاں کی بھی تو اس کے پیچھے تمہاری بغاوت اور سرکشی ہو گی اور میں تمہیں اس راہ پر نہیں چلانا چاہتا۔ ماں باپ کو اپنی بیٹیوں پر بڑا مان ہوتا ہے۔ بیٹیاں اس مان کو توڑنے کے بجائے قربانی کی راہ اختیار کریں' یہ زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ کم از کم تمہارے لیے تو میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ تم اپنے ماں باپ کو تکلیف دو چاہے ایسا میری ہی خاطر کیا جائے۔" وہ اسے معاملے کی اونچ نیچ سمجھانے لگا۔
"آپ ایک کوشش تو کر سکتے ہیں عمر! ہو سکتا ہے آپ کی کوشش ہمارے نصیب کھول دے۔" وہ آس سے بولی تو اس بار عمر اسے انکار نہیں کر سکا۔
"ٹھیک ہے تم اپنے گھر میں کسی سے بات کر کے مجھے اطلاع دے دینا میں تمہارے گھر والوں سے ملنے کے لیے آجاؤں گا۔"
عمر کے حامی بھر لینے پر وہ بے حد خوش ہوئی اس روز گھر جاتے ہی اس نے صائمہ سے فون پر عمر کے سلسلے میں بات کی۔ صائمہ کا مزاج جیسا بھی تھا لیکن یہ بات وہ صرف اسی سے کر سکتی تھی۔ امی ابا یا بھائی سے تو اس

موضوع پر بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"تم نے تو کہا تھا کہ تمہارا اس لڑکے کے ساتھ کوئی چکر نہیں تو پھر اب یہ رشتے کی بات کیسی؟" صائمہ نے حسب توقع اس کی بات سنتے ہی طنز کا تیر چلایا۔

"یہ عمر کی خواہش ہے۔ میں کوئی زبردستی نہیں کر رہی، آپ لوگ اس سے مل کر تو دیکھیں وہ بہت نیک فطرت شخص ہے۔ آپ لوگ بھی اس سے ملیں گے تو متاثر ہوں گے کم از کم کسی انجان ملک میں انجان شخص سے شادی کرنے کے مقابلے میں ایک دیکھا بھالا شخص زیادہ قابل اعتبار ہوتا ہے۔" فائقہ نے دلیل دی۔

"ٹھیک ہے میں امی سے بات کروں گی لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں تمہیں کوئی آس نہیں دلا رہی۔ اگر ہم سب کو عمر مناسب لگا تب ہی اس سلسلے میں کچھ پیش رفت ہوگی ورنہ تمہیں اس معاملے کو یہیں ختم کرنا ہوگا۔" صائمہ نے ہامی بھرنے کے ساتھ ساتھ اسے تنبیہہ کرنا بھی ضروری سمجھا۔

"میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ میری طرف سے کوئی زبردستی نہیں۔ آپ لوگوں کا جو بھی فیصلہ ہوگا، وہ مجھے قبول ہوگا۔"

فائقہ نے دل پر جبر کرکے صائمہ کو یقین دہانی کروائی اگر عمر نے اسے پابند نہ کیا ہوتا تو وہ اپنی پسندیدگی کا اظہار کرکے کچھ تو اس کے حق میں اپنے گھر والوں سے لڑتی۔ اب تو اس کے پاس صرف دعاؤں کا ہی آسرا رہ گیا تھا۔ وہ رو رو کر اللہ سے اپنے اور عمر کے ملاپ کے لیے دعا کرتی رہی لیکن دوسرے دن صائمہ کی آمد کے بعد اسے احساس ہوا کہ اس کی ہر دعا رائیگاں چلی گئی ہے۔

"واہ بھئی واہ! ارشد جیسے رشتے کے مقابلے میں ہماری بہن صاحبہ نے کھڑا بھی کیا تو اس ٹٹ پونجیے کو۔ میں پوچھتی ہوں آخر تم نے اس شخص میں دیکھا کیا؟ شکل دیکھو تو کسی چمار جیسی، نوکری ابھی کوئی نہیں محترم کی گھر کے نام پر ایک کمرے کی کرائے کی کھولی ہے اور فیملی بیک گراؤنڈ سب سے بڑھ کر شاندار ہے۔ ابا جی کا تو خیر کچھ پتا ہی نہیں اور ا[illegible] ساری زندگی لوگوں کے گھروں کے برتن مانجھ[illegible] کپڑے دھوتے ہوئے گزری۔ میں تو شکر کر رہی کہ میں نے اس رشتے کے بارے میں امی کے سا[illegible] کو بتایا نہیں اور خود بالا ہی بالا ساری تحقیق کروالی۔ مردوں میں سے کسی کو یہ سب پتا چل جاتا تو قیا[illegible] آجاتی۔"

صائمہ نے کل اس سے عمر کا ایڈریس وغیرہ [illegible] اور آج مکمل رپورٹ کے ساتھ امی کے سامنے اسے بے نقط سنا رہی تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ عمر کے کا سب سے نازک باب اس کے علم میں نہیں [illegible] ورنہ جانے وہ اور کتنا شور مچاتی۔

"میں آج تمہارے ابا کے ساتھ جاکر ارشد کے والوں کو ہاں کہہ آؤں گی تم غفران کے لیے بھی جلد[illegible] سے کوئی لڑکی تلاش کرو۔ ہم جتنی جلدی ان فرا[illegible] سے فارغ ہوجائیں، مناسب ہے۔" اس پر ا[illegible] ملامتی سی نظر ڈالتے ہوئے شاکرہ بیگم نے صائمہ [illegible] کہا۔ ان کی اس ملامت بھری نظر نے فائقہ [illegible] چپ کیا کہ پھر کسی بھی مرحلے پر اس نے احتجاج [illegible] لیے زبان نہیں کھولی اور سب کچھ گھر والوں کی مر[illegible] کے مطابق ہوتا گیا۔

☼ ☼ ☼

ایک کمرے پر مشتمل وہ اپارٹمنٹ بہت تنگ [illegible] تاریک تھا۔ رہی سہی کسر وہاں پھیلی ابتری اور گند[illegible] نے پوری کردی تھی۔ اپارٹمنٹ میں قدم رکھنے [illegible] پانچ منٹ بعد ہی فائقہ کا دل اس بری طرح الجھنے لگا [illegible] اسے سانس لینا بھی مشکل ہوگیا۔

"بیٹھ جاؤ کب تک اسی طرح کھڑی رہو گی [illegible] ارشد جو اسے ایئرپورٹ سے یہاں لے کر آنے [illegible] بعد آرام سے ایک میلی کچیلی چادر والے بستر پر لیٹا تھا، اسے ابھی تک کھڑے دیکھ کر بولا۔ فائقہ نے ا[illegible] بار پھر پورے کمرے کا جائزہ لیا وہاں کوئی بھی جگہ نہیں تھی کہ اسے اپنے صاف ستھرے مہکتے وجود [illegible]

ساتھ بیٹھنا گوارا ہوتا۔

اسے پاکستان سے روانہ کرتے وقت بطور خاص قیمتی لیکن نسبتاً" سادہ لباس پہنایا گیا تھا۔ صائمہ کی ہدایات کے مطابق اس نے جہاز کے لینڈ کرنے سے قبل اپنا میک اپ اور بال درست کرنے کے ساتھ ساتھ خود پر پرفیوم بھی چھڑک لیا تھا اور اب اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اتنے نفیس لباس کے ساتھ وہ بیٹھنے کے لیے اس گندگی کے ڈھیر میں سے کس جگہ کا انتخاب کرے لیکن بہرحال کہیں نہ کہیں تو بیٹھنا ہی تھا۔

وہ کوئی عام ملاقاتی تو تھی نہیں کہ کھڑے کھڑے واپس چلی جاتی! اسے اب یہیں اسی اپارٹمنٹ میں رہنا تھا چنانچہ دل پر جبر کرتے ہوئے ایک صوفے پر ٹک گئی۔ اب اس کی نظروں نے کمرے کے سامان کے علاوہ ارشد کا بھی جائزہ لیا۔ نین نقش کے اعتبار سے تو وہ یقیناً وہی شخص تھا جس کی تصویریں اسے دکھائی گئی تھیں لیکن تصویروں میں موجود تروتازگی بالکل غائب تھی۔ ارشد کو شادی کے لیے پاکستان آنا تھا۔ آخری دن تک اس کے گھر والے یہی کہتے رہے کہ وہ آرہا ہے لیکن غفران کے ولیمہ والے دن جب اس کی برات آئی تو برات کے ساتھ دولہا نہیں تھا۔ اس کے گھر والوں نے یہی بتایا کہ کوشش کے باوجود ارشد کو چھٹی نہیں مل سکی۔ اس لیے مناسب ہے کہ فون پر نکاح کروا کر بعد میں فائقہ کو اس کے پاس بھیج دیا جائے۔

ابا اس موقع پر تذبذب میں پڑ گئے تھے مگر انہیں اپنی دلہن بن کر بیٹھی بیٹی کا بھی خیال تھا۔ انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ فون پر نکاح والی بات مان لی جائے۔ نکاح کے بعد چھ مہینے فائقہ کو میکے میں ہی رہنا پڑا تھا۔ ایک آدھ دن کے لیے وہ اپنے سسرال بھی رہنے گئی تھی لیکن نہ تو اس کا وہاں دل لگا تھا اور نہ ہی ان لوگوں نے اس کے رکنے پر اصرار کیا تھا۔ اس لیے وہ اپنے کاغذات بن کر آجانے تک میکے میں ہی رہی اور ان دنوں میں صائمہ کے مشورے پر ایک سینٹر میں داخلہ لے کر انگلش لینگویج کورس کرتی رہی۔ کورس کی مصروفیت نے اسے کافی حد تک ذہنی الجھنوں سے بچائے رکھا۔ اپنے بی اے کا امتحان دینے کے بارے میں البتہ وہ کچھ نہیں سوچ سکی۔

عمر سے اپنی آخری ملاقات کے بعد اس نے بھولے سے بھی لائبریری کا رخ نہیں کیا تھا۔ چاہے اس کے دل کی خواہش کے خلاف ہی سہی اس کا ارشد سے نکاح ہوا تھا۔ اور وہ پوری ایمانداری سے اس رشتے کو نبھانا چاہتی تھی لیکن یہ رشتہ نبھانا کتنا مشکل ثابت ہوگا اس بات کا اندازہ اپنی بیاہتا زندگی کی پہلی رات ارشد کے قرب میں شراب کے بھبکے برداشت کرتے ہوئے وہ کافی حد تک لگا چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم کیا ہر وقت گھر کے کاموں میں ہی مصروف رہتی ہو۔ چلو تیار ہو جاؤ۔ آج باہر چلتے ہیں۔" وہ کچن کا فرش صاف کر رہی تھی جب ارشد نے اسے ٹوکتے ہوئے حکم دیا۔

وہ آج مقررہ وقت سے کچھ جلدی واپس آگیا تھا۔ فائقہ کے یہاں آنے کے بعد اس نے ایک دن بھی اس کی خاطر۔۔۔ چھٹی نہیں کی تھی۔ اس کی واپسی بھی خاصی تاخیر سے ہوتی تھی۔ واپس آنے کے بعد وہ اتنا تھکا ہوا اور اپ سیٹ (اپنے) جلنے میں ہوتا تھا کہ فائقہ کو کہیں باہر لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہاں آنے کے بعد فائقہ کے جو تین دن گزرے تھے وہ مسلسل اپارٹمنٹ کی حالت سدھارنے کی کوشش میں گزرے تھے۔

ان کوششوں کے نتیجے میں اپارٹمنٹ کافی صاف ستھرا ہو گیا تھا لیکن وہ خود بری طرح تھک گئی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ یہ تھکن صرف جسمانی نہیں ہے۔ اسے اس تھکن کا اثر اپنی روح تک اترتا محسوس ہوتا تھا۔ ارشد کے قرب میں اس کے لیے کوئی خوشی نہیں تھی۔ ایسا اس لیے نہیں تھا کہ وہ ارشد کو عمر کی جگہ قبول نہ کر پا رہی ہو۔ عمر کی محبت اپنی جگہ تھی لیکن ارشد کا ساتھ پورے خلوص سے نبھانے کا عہد کرکے یہاں آئی تھی مگر ارشد نے اسے مایوس کیا تھا۔ وہ کردار کے اعتبار سے کیسا شخص ہے وہ کسی بھی ثبوت کے بغیر بحیثیت بیوی اندازہ لگا سکتی تھی خصوصاً" ارشد کی شراب نوشی کی عادت کی وجہ سے۔

"چھوڑو نا یہ کام' میں نے کہا ہے تیار ہو جاؤ۔" ارشد نے ایک بار پھر اس سے کہا تو وہ کام چھوڑ کر تیار ہونے چلی گئی۔

اسے شادی کے بعد کینیڈا میں رہنا ہے' اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کے جہیز کے تقریباً" سارے ہی جوڑے قیمتی ہونے کے باوجود کچھ سادہ سادہ سے بنائے گئے تھے' بس چند ایک ہی بھاری کام کے جوڑے تھے۔ اس وقت بھی اس نے جو لباس منتخب کیا وہ آسمانی رنگ کا ایک سلف پرنٹ کا جوڑا تھا' جس پر بہت نازک سی موتیوں کی' ہم رنگ بیل لگی ہوئی تھی۔

"تمہارے پاس ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی کپڑے نہیں میرا مطلب ہے یہاں کے حساب سے؟" وہ تیار ہوئی تو ارشد نے اس کی طرف تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے سارے کپڑے یہاں پہننے کے حساب سے بہت سادہ سے ہی بنائے تھے۔ اگر آپ کو یہ کپڑے مناسب نہیں لگ رہے تو میں کسی اور رنگ کا سوٹ نکال کر پہن لیتی ہوں۔"

"نہیں۔ مجھے رنگ پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن تمہیں کینیڈا کے حساب سے یہاں کے ماحول کے مطابق کچھ دوسری قسم کے کپڑے ساتھ لانا چاہیے تھے۔ خیر' میں خود بندوبست کر دوں گا۔"

ارشد کو اس کے لباس پر کیا اعتراض تھا؟ اس بار وہ سمجھ گئی لیکن کچھ بھی ظاہر کیے بغیر اس کے ساتھ گھر سے نکل گئی۔ ارشد تھوڑی دیر اسے ادھر ادھر گھمانے کے بعد اسے ایک ریسٹورنٹ میں لے گیا۔ فائقہ کا خیال تھا کہ وہ یہاں اسے ڈنر کروانے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا وہ اسے لے کر کسی میز کی طرف جانے کے بجائے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

"یہ میری بیوی ہے' اس کے متعلق میں نے کل تم سے بات کی تھی۔ یہ سارے کام کرنا جانتی ہے اگر تم کہو تو میں کل سے اسے اپنے ساتھ کام کرنے کے لیے لے آیا کروں۔" ارشد کے جملے بہت واضح ہونے کے باوجود فائقہ کو ناقابل فہم لگ رہے تھے۔

"اوکے۔ دیکھنے میں تو ٹھیک ہی لگتی ہے۔ تم کل اسے ساتھ لے آنا۔ اس کا کام دیکھنے کے بعد میں پے منٹ کے بارے میں فیصلہ کروں گا۔" کاؤنٹر پر موجود شخص نے سرد لہجے میں ارشد کو جواب دیا اس کا جواب سننے کے بعد ارشد اسے لے کر باہر آگیا۔

"یہ سب کیا تھا ارشد! میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا؟" باہر آکر وہ ارشد سے الجھی۔

"تمہارے لیے نوکری کا انتظام کیا ہے۔ کل سے تمہیں بھی میرے ساتھ جاب پر آنا ہوگا۔" ارشد نے اطمینان سے بتایا۔

"جاب۔۔۔؟" وہ ارشد کی بات سن کر کچھ پریشان ہوئی۔ اس کے خاندان میں تو لڑکیوں کو اسکول کی بے ضرر سی نوکری کرنے کی اجازت نہیں ملتی تھی کجا کہ وہ اس کھلے ڈلے ماحول والے ملک کے ایک ریسٹورنٹ میں جاب کرتی۔

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو۔ یہاں رہ کر سب کو کام کرنا پڑتا ہے۔ یہ کوئی پاکستان نہیں ہے جہاں ایک فرد کمائے اور سارا گھر بیٹھ کر کھائے۔ مجھے اپنے ساتھ مل کر جاب کرنے والی بیوی چاہیے تھی۔ اسی لیے میں نے اماں سے کہا تھا کہ کسی اچھی شکل کی سلیقہ مند لڑکی سے رشتہ کروائیں۔ مجھ پر اپنے گھر کی بڑی ذمے داریاں ہیں۔ بہنوں کی شادی کے لیے جہیز جوڑنا ہے ہم دونوں مل کر کمائیں گے' تب ہی تو کچھ بھیج سکیں گے۔"

ارشد کی بات سن کر اسے پاکستان میں موجود اس کا گھر یاد آیا۔ وہ گھر ہر طرح کے سامان تعیشات سے بھرا ہوا تھا۔ خود فائقہ کے اپنے گھر والے ارشد کا گھر اور اس میں موجود قیمتی ساز و سامان دیکھ کر اس رشتے سے متاثر ہوئے تھے لیکن یہاں ارشد ایسی باتیں کر رہا تھا جیسے پاکستان میں اس کے گھر میں فاقے ہوتے

ہوں۔

"میں تو شادی پر بھی اسی لیے پاکستان نہیں گیا تھا کہ خوامخواہ آنے جانے میں اتنی بڑی رقم خرچ ہو جائے گی جب فون کی سہولت موجود ہے تو پھر کیا ضرورت ہے بیکار کا کھڑاک پالنے کی۔" اس کی کیفیت سے بے خبر وہ اپنی ہی بولے جا رہا تھا۔

فائقہ سُن سی کیفیت میں اس کے خیالات سنتی رہی۔

☼ ☼ ☼

اگلے ہی دن سے وہ ارشد کے ساتھ جاب پر جانے لگی تھی۔ اس کے ساتھ جاب کرتے ہوئے اس پر بہت سے انکشافات ہوئے۔ ارشد کے گھر والوں نے رشتہ کرتے ہوئے صریحاً" غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ کینیڈا میں اس کا بہت بڑا ذاتی ریسٹورنٹ ہے مگر وہ ریسٹورنٹ کا ایک بہت ادنیٰ سا ملازم تھا جو برتن دھونے سے لے کر فرش کی صفائی تک ہر کام کرتا تھا۔

ضرورت پڑنے پر اسے بند نالیوں کو کھولنے کا بھی کام کرنا پڑتا تھا۔ اس کی جو تعلیمی قابلیت تھی اس کے مطابق وہ یہی کام کرنے کا اہل تھا۔ فائقہ کے گھر والوں کو اس کی تعلیم کے متعلق بھی غلط بتایا گیا تھا۔ جانے توفیق بھائی نے اس کے متعلق کیسی چھان بین کروائی تھی کہ کچھ معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا۔

فائقہ نصیب کا لکھا سمجھ کر ارشد کے ساتھ جاب پر جاتی رہی لیکن ہر بار کسی گاہک کے سامنے اس کا آرڈر کیا ہوا کھانا سرو کرتے یا کسی کی جھوٹی پلیٹ صاف کرتے ہوئے اسے صائمہ کا عمر کی ماں کے حوالے سے دیا ہوا طعنہ ضرور یاد آتا۔ اس کا دل چاہتا کہ کاش وہ اسے یہ منظر دکھائے کہ دیکھو کیسے اس کی بہن وہی سارے کام کر رہی ہے جو عمر کی ماں کے حوالے سے اسے قابلِ اعتراض معلوم ہوئے تھے۔ مگر وہ یہ سب نہیں کہہ سکتی تھی۔

وہ گھر والوں سے فون پر بات ہونے پر ہمیشہ انہیں اپنے خوش ہونے کی نوید سناتی مگر یہ جھوٹی خوشی بھی آخر کب تک چلتی۔

ایک دن اس کی برداشت کی حد ختم ہو گئی۔ وہ کوئی کینیڈین باشندہ ہی تھا جس نے کھانا کھانے کے بعد برتن سمیٹتی فائقہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے نہ صرف چوما بلکہ اسے رات ساتھ گزارنے کی پیشکش بھی کر ڈالی۔ اس شخص کی اس جرأت نے فائقہ کا دماغ بھک سے اڑا دیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور ایک تھپڑ اس شخص کے منہ پر دے مارا۔ ریسٹورنٹ میں اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا۔ ریسٹورنٹ کے مالک نے کھڑے کھڑے فائقہ اور ارشد کو ملازمت سے نکال دیا۔

"کیا آفت آ گئی تھی تم پر جو تم نے اتنا ہنگامہ مچایا۔ تمہاری وجہ سے میری اچھی بھلی نوکری بھی چلی گئی۔" اپارٹمنٹ واپس آ کر ارشد اسے بری طرح دھنکنے کے بعد اس پر چلایا۔

"وہ شخص مجھ سے بدتمیزی کر رہا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ چوما تھا اور ساتھ رات گزارنے کی آفر بھی کی تھی۔ اس بات پر میں اس شخص کے منہ پر تھپڑ نہیں مارتی تو اور کیا کرتی؟" فائقہ نے اس خیال سے کہ شاید ارشد کو سارے واقعے کا علم ٹھیک طرح سے نہ ہو سکا ہو، روتے ہوئے اسے بتایا۔

"کیا کرتی؟ تمہیں چاہیے تھا کہ تم اس کی آفر قبول کر لیتیں۔ ایک رات میں تمہیں اتنا مل جاتا کہ پورے مہینے ریسٹورنٹ کا کام کرنے سے بھی نہیں مل پاتا۔" ارشد کے جواب نے فائقہ کو لرزا کر رکھ دیا۔

اسے اس شخص سے آخری حدوں تک نفرت محسوس ہوئی جس کے نزدیک پیسوں کے سوا کسی بھی چیز کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ یہ صرف شدید اشتعال نہیں دل کی گہرائیوں سے پیدا ہونے والی نفرت تھی جس کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اب ایک دن بھی مزید ارشد کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

اس نے فوراً" ہی پولیس اسٹیشن فون کر کے شکایت کی کہ اس کے شوہر نے اسے زدوکوب کیا ہے۔ ارشد کو اس سے یہ توقع نہیں تھی وہ پولیس کے آنے

تک اسے منانے کی کوشش کرتا رہا لیکن فائقہ کا فیصلہ اٹل تھا۔ وہ ارشد کے اپارٹمنٹ سے نکلی تو اپنے زیورات اور کپڑوں سمیت سب سامان اس خیال سے لے کر نکلی کہ اب واپس کبھی یہاں قدم نہیں رکھے گی۔

اس کے بعد پاکستان میں گھر والوں کو اطلاع دینے، ارشد سے طلاق لینے اور واپسی کا انتظام کرنے کے مراحل اگرچہ آسان نہیں تھے لیکن وہ ارشد کے ساتھ گزارے مختصر عرصے میں جو کچھ سہہ چکی تھی اس سب کو دوبارہ اپنی زندگی میں نہ آنے دینے کے خیال سے وہ ہر مشکل مرحلے سے گزر گئی۔

پاکستان سے فون پر بات کرتے ہوئے تقریباً" ہر شخص نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ جذباتیت سے کام نہ لے۔ کم از کم طلاق تو بالکل نہ لے لیکن زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب وہ اپنے فیصلے پر اڑ گئی۔ خصوصاً" اس لیے بھی کہ ابا اس فیصلے میں اس کے ہم نوا تھے۔

اپنی سخت گیر طبیعت کے باوجود انہوں نے بیٹی کے مسئلے کو صحیح طرح سمجھا تھا اور اس کی حمایت کی تھی۔ پھر بھی جس روز وہ لٹی پٹی پاکستان پہنچی ابا سے اس کی حالت دیکھی نہیں گئی اور ایک گہری چپ نے انہیں گھیر لیا۔

☼ ☼ ☼

گھر کے حالات پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ بدل گئے تھے۔ وہ گھر جہاں کسی کام والی کا داخلہ ممنوع تھا۔ اب وہاں سوائے کھانا پکانے کے ہر کام ماسیوں کے دم سے ہی ہوتا۔ کھانا پکانے کے لیے کوئی عورت شاید اس لیے نہیں رکھی گئی تھی کہ یہ کام شاکرہ بیگم نے سنبھال رکھا تھا۔

غفران کی بیوی میمونہ تو کسی کام کو ہاتھ لگانے کی روادار نہیں تھی۔ فائقہ نے اپنے نکاح کے بعد چھ مہینے میمونہ کے ساتھ گزارے تھے۔ اس وقت بھی اس کی نازک طبیعت کا تھوڑا سا اندازہ تو ہو گیا تھا لیکن زیادہ فرق اس لیے نہیں پڑا تھا کہ وہ اور امی مل کر حسبِ معمول سارا کام نمٹا لیتی تھیں مگر اب تو حالت ہی بری تھی۔

کام والیاں رکھنے کے باوجود گھر پہلے جیسا نہیں رہا تھا ظاہر ہے کام والیوں سے کام کروانے کے لیے بھی خاتونِ خانہ کو جان مارنی پڑتی ہے۔ میمونہ کو ہر وقت اپنی جان کی پروا لگی رہتی تھی۔ وہ کسی کام کے پیچھے جان کیا خاک مارتی پھر آج کل تو تخلیق کے مرحلے سے گزرنے کی وجہ سے بالکل ہی الگ بات ہو گئی تھی۔ غفران اسے بالکل ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھتا تھا۔ اکیلی شاکرہ بیگم اس عمر میں کیا کیا دیکھتیں۔ بس جیسے معاملات جیسے تیسے چل رہے تھے۔

بہو کو کچھ بولتیں تو بیٹا بدلحاظی پر اتر آتا۔ انہیں بڑی شدت سے احساس ہونے لگا تھا کہ انہوں نے بہو کے انتخاب میں صرف شکل و صورت کا دھیان رکھ کر غلطی کی۔ جتنی عجلت میں رشتہ طے ہوا اس میں شکل و صورت کے سوا کچھ دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ہاں اگر وہ کسی دیکھے بھالے گھرانے کی سمجھدار لڑکی کا انتخاب کر لیتیں تو الگ بات ہوتی لیکن ان دنوں تو بس یہی خبط سوار تھا کہ اکلوتے بیٹے کی ایسی دلہن لائیں کہ لوگ دیکھتے رہ جائیں۔ اب بہو نے جو رنگ ڈھنگ دکھائے تھے تو وہ بیٹھی دیکھتی رہ جاتی تھیں۔

فائقہ نے یہ سارے حالات دیکھے اور چپکے سے گھر کی اصلاح میں جُت گئی پھر یہ بھی عجیب ہی واقعہ ہوا کہ اس کے کام میں ہاتھ ڈالتے ہی ایک ایک کر کے ہر کام والی کام چھوڑ کر چلی گئی۔ کام پہلے کی طرح فائقہ اور شاکرہ بیگم نے مل کر سنبھال لیا لیکن شاکرہ بیگم میں اب وہ پہلی سی بات نہیں رہی تھی فائقہ کے اجڑنے کے غم نے انہیں بھی کمزور کر دیا تھا۔

صائمہ طبعیتاً" ذرا تیز تھی۔ ملنے کے لیے میکے آئی تو اس صورتحال پر خاموش نہیں رہی۔ ادھر سے جواب تیار تھا۔ بقول غفران کے ابا کے دکان چھوڑ کر گھر بیٹھ جانے کے بعد اسے دکان پر ملازم رکھنا پڑا تھا اب اس ملازم کی تنخواہ وہ گھر سے نکالی جانے والی کام والیوں کی

تنخواہ سے پوری کر رہا تھا۔ صائمہ تو شاید اور بحث کرتی لیکن فائقہ نے اسے چپ کروا دیا۔ وہ جانتی تھی کہ ابا نے اس کا غم دل پر لیا ہے اور دلبرداشتہ ہو کر ہی وہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر یوں گھر میں بیٹھ گئے ہیں اور اب خود سے وابستہ نقصان کی تلافی کے لیے قربانی بھی اسی کو دینا تھی۔

"تم ہر ایک کو اسی طرح سر پر چڑھا لیا کرو۔ ہم کچھ بولیں گے نہیں تو بھائی اور بھابی کو اپنی غلطی کا احساس کیسے ہوگا؟ اس طرح منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھنے سے کام تھوڑا چلتا ہے۔" صائمہ اس پر بھی ناراض ہوئی تھی۔

"شور مچانے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر مجھے شور مچانا ہوتا تو سب سے پہلے اس بات پر مچاتی کہ مجھے بنا کسی تحقیق کے اتنی دور بیاہنے کی غلطی کیوں کی گئی ہے لیکن دیکھیں میں چپ ہوں پھر بھی سب کو احساس ہے کہ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔" فائقہ کے اس جواب نے صائمہ کو بالکل چپ کروا دیا۔ فائقہ کی شادی ارشد سے کروانے میں سب سے زیادہ اسی کا تو ہاتھ تھا۔

☼ ☼ ☼

"فائقہ! دیکھو بیٹا تمہارے ابا کو کیا ہو رہا ہے؟" اس کی ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ شاکرہ بیگم نے گھبرائی ہوئی آواز میں پکارا۔

وہ جلدی سے اٹھ کر ابا کے کمرے کی طرف بھاگی۔ ابا نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اور پسینے سے شرابور ہو رہے تھے۔

"غفران بھائی کو بلائیں امی! ابا کو اسپتال لے جانا ہوگا۔" ابا کی کیفیت سے ہارٹ اٹیک کا اندازہ لگاتے ہوئے وہ خود بھی گھبرا گئی تھی۔

"غفران تو بہت دیر ہوئی میمونہ کو لے کر باہر گیا ہوا ہے۔ میمونہ کو گھر میں گھبراہٹ ہو رہی تھی تو وہ دونوں ہوا خوری کے لیے چلے گئے۔" شاکرہ بیگم کے جواب پر اس کی نظر بے ساختہ گھڑی پر گئی۔ ساڑھے بارہ سے اوپر کا ٹائم ہو رہا تھا۔

وہ جلدی جلدی غفران کا موبائل نمبر ملانے لگی۔ اسے ابا کی حالت کے بارے میں بتا کر گھر آنے کا کہے لیکن دوسری طرف سے مسلسل بیل جانے کے باوجود کال ریسیو نہیں کی جا رہی تھی۔ ناچار وہ پڑوسیوں کی طرف دوڑی ہوئی گئی پھر ان کی مدد سے ہی ابا کو اسپتال پہنچایا گیا۔ غفران بھائی جس وقت اسپتال پہنچے ابا خطرے کی حالت سے باہر آچکے تھے۔ کال ریسیو نہ کرنے کے حوالے سے انہوں نے یہی بتایا کہ موبائل گاڑی میں رہ گیا تھا اور وہ دونوں میاں بیوی باہر ٹہل رہے تھے۔ اس لیے کال آنے کا پتا ہی نہیں چلا۔

اصل بات فائقہ ان کے چہرے پر پڑھ سکتی تھی لیکن اس نے کچھ بھی جتانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ ابا کو بروقت طبی امداد مل گئی تھی اور اب وہ خطرے سے باہر تھے۔ غفران بھائی زیادہ دیر اسپتال میں ٹھہرے بھی نہیں جتنی دیر رکے اس میں بھی انہیں اپنی بیگم کی فکر رہی کہ اس حالت میں اسے تنہا چھوڑنا مناسب نہیں۔ بالآخر شاکرہ بیگم کو اپنے منہ سے بولنا پڑا کہ وہ گھر جا کر اپنی بیوی کا خیال رکھیں۔

اس رات کی صبح ان دونوں ماں بیٹی نے اسپتال کے برآمدے میں ایک بینچ پر بیٹھ کر کی۔ صبح شاید میمونہ یا غفران نے اطلاع دی تو صائمہ اپنے شوہر کے ساتھ آگئی۔ توفیق کو آج دفتر میں کوئی ضروری کام تھا اس لیے وہ بھی زیادہ دیر نہیں رکا۔ صائمہ بھی بارہ بجے کے قریب واپس چلی گئی۔ اس کا بیٹا اسکول جانے لگا تھا اور اسے بیٹے کو اس کے اسکول لینے جانا تھا۔

عجیب سی صورت حال تھی۔ بیمار باپ کے لیے کسی کے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ فائقہ کا دل اتنی بری طرح بھر آیا کہ اسے لگا وہ خود پر ضبط نہیں کر سکے گی۔ امی کے سامنے روتی یہ بھی مناسب نہیں تھا اس لیے وہ کینٹین سے کچھ کھانے پینے کا سامان لانے کے بہانے باہر نکل گئی اور اسپتال کے لان میں ایک بینچ پر بیٹھ کر رونے لگی۔

"کیا بات ہے فائقہ! کیوں رو رہی ہو؟" پریشانی میں ڈوبا یہ لہجہ اس کے لیے بہت آشنا تھا۔ اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ شاید ماضی کے کسی منظر میں داخل ہو گئی تھی۔ بینچ پر عادت کے مطابق کچھ فاصلہ رکھ کر بیٹھا ہوا وہ بیٹا محمد عمر ہی تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ کون ایڈمٹ ہے یہاں؟" اسے اپنی طرف متوجہ پا کر عمر نے ذرا مختلف الفاظ میں سوال کیا اس کے اس سوال پر اسے خیال آیا کہ وہ ماضی کے کسی منظر میں موجود نہیں ہے۔ جس بینچ پر وہ اور عمر بیٹھے ہیں وہ کسی لائبریری کے لان کے بجائے ایک اسپتال کے لان میں موجود ہے اور اس اسپتال میں اس کے ابا داخل ہیں۔

"کیا میں تمہارے ابا کو دیکھنے کے لیے چل سکتا ہوں؟" فائقہ کے صورت حال بتانے پر عمر نے اس سے سوال کیا۔ جس پر اثبات میں سر ہلاتے وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"یہ عمر ہیں امی!" شاکرہ بیگم اسے ایک اجنبی کے ساتھ آتے دیکھ کر حیران ہو رہی ہیں۔ اس بات کو سمجھتے ہوئے اس نے تعارف کروایا۔

ایک لمحے کو وہ سمجھ نہیں پائیں لیکن پھر شاید انہیں یاد آگیا۔ وہ تپاک سے عمر کے سلام کا جواب دینے کے بعد اسے ابا کی حالت کے بارے میں بتانے لگیں۔ وہ ان کی بات توجہ سے سن کر انہیں دلاسہ دیتا رہا۔

"تم کس کو دیکھنے یہاں آئے تھے؟" شاکرہ بیگم کو خیال آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا۔

"میرے ایک شاگرد کے والد ہیں۔ تمہیں تو یاد ہوگا فائقہ! وہ شربت والا جو لائبریری کے باہر کھڑا ہو کر شربت بیچتا تھا۔" شاکرہ بیگم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے وہ اچانک فائقہ سے مخاطب ہوا۔

"ہاں ہاں بالکل! اس شربت والے کے دو بچوں کو آپ پڑھاتے تھے۔ کیا ہوا اس بے چارے کو؟"

"ٹی بی ہو گئی تھی اسے۔ کافی عرصے اسپتال میں داخل رہا ہے۔ اب تو اللہ کا شکر ہے کہ طبیعت کافی بہتر ہو گئی ہے۔ میں کالج سے جلدی چھٹی لے کر آج اس کے سلسلے میں ڈاکٹر سے ملنے آیا تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ کل تک مریض کی چھٹی ہو جائے گی پھر باقی علاج گھر پر دواؤں سے ہوتا رہے گا۔" اس کے لہجے میں اتنا گہرا اطمینان تھا۔ جیسے اسے اپنے کسی قریبی عزیز کی صحت یابی کی اطلاع ملی ہو۔

"آپ کو لیکچرر شپ مل گئی عمر؟ آپ نے کمیشن کا امتحان پاس کر لیا تھا؟" فائقہ کو یاد آیا تو اس نے جوش سے پوچھا۔

"ہاں! اب تو کافی مہینے ہو گئے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا پھر دوبارہ آنے کا کہہ کر شاکرہ بیگم سے رخصت لے کر روانہ ہو گیا۔

"آپ نے دیکھا امی! عمر کا اخلاق کتنا بلند ہے۔ وہ ایک عام گھر گھر کام کرنے والی عورت کے بیٹے ہوتے ہوئے بھی اخلاقی اعتبار سے اتنے بلند ہیں کہ ایک معمولی شربت فروش کی خاطر اپنی جاب سے چھٹی لے کر اس کے ڈاکٹر سے ملنے آئے ہیں اور یہاں سگی اولاد کے پاس اپنے پال پوس کر بڑا کرنے والے باپ کے لیے فرصت نہیں۔"

شاکرہ بیگم شرمندہ سی ہو کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"کیوں آتا ہے یہ شخص روز روز ہمارے گھر؟ آخر اس کا تعلق ہی کیا ہے اس گھر سے؟" عمر کچھ دیر پہلے ہی ابا کو دیکھ کر گیا تھا۔ اچانک ہی غفران بھائی ابا کے کمرے میں آکر سوال جواب کرنے لگے۔

"میری خیریت معلوم کرنے آتا ہے۔ کئی بار وہی مجھے چیک اپ کے لیے اسپتال لے گیا ہے۔ خود تمہیں تو فرصت نہیں ہوتی کہ ذرا دیر کے لیے آکے بوڑھے باپ کی خیریت ہی معلوم کر لو۔ جو خیال کر رہا ہے اس کے آنے جانے پر بھی تمہیں اعتراض ہے۔" ابا آج بہت عرصے بعد اپنے پرانے ڈھنگ لہجے میں بول رہے تھے۔

"لیکن لوگ باتیں بناتے ہیں ابا! کوئی چچا تایا کا لڑکا کوئی پرانا پڑوسی ہو تو اس کا آنا سمجھ میں بھی آتا ہے۔

اب اسپتال کے قیام میں ہو جانے والی دوستی کو اتنا کون طول دیتا ہے۔ جانے کون شخص ہے؟ اس کا کیا مقصد ہے؟ آپ کو احتیاط کرنی چاہیے اس گھر میں ایک جوان لڑکی بھی موجود ہے۔"

غفران بھائی کا لہجہ ابا کے تیور محسوس کر کے تھوڑا نرم ہو گیا تھا لیکن وہ اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے باز نہیں آئے تھے۔

"مجھ سے دنیا والوں کی بات نہ کرو میاں! مجھے معلوم ہے تمہاری دنیا تمہاری بیوی تک محدود ہے۔ عمر پر شک کرنے کا سوال، تو میں نے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔ تم سے زیادہ انسانوں کی پرکھ ہے مجھے اور رہاں یہ جوان لڑکی کا کیا ڈراوا دے رہے ہو تم مجھے۔ میری بیٹی میرے پاس اب عمر کی ہی امانت ہے۔ میری طبیعت ذرا کچھ اور سنبھل جائے تو میں فائقہ کی رخصتی کا انتظام کرتا ہوں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنی ایک بھیانک غلطی کی تلافی کا موقع دے دیا ہے، ورنہ ہم سب نے تو لالچ میں آ کر اس کی زندگی خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

ابا بولنے پر آئے تو بولتے چلے گئے۔ آخر غفران بھائی کو ہی کان دبا کر ان کے کمرے سے باہر نکلنا پڑا۔ فائقہ نے باہر برآمدے میں بیٹھے بیٹھے ابا کے کمرے سے آنے والی یہ ساری آوازیں سنیں اور طمانیت سے مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی عمر نے ابا کی جتنی خدمت کی وہ بے لوث تھی۔ ابا کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو وہ اس کا اتنا ہی خیال رکھتا۔ امی اور ابا دونوں نے ہی اس کی شخصیت کے اس رنگ کو پہچان لیا تھا۔

امی تو سارے قصے سے واقف ہی تھیں، انہوں نے ابا کو بھی ماضی میں عمر کے رشتے کے حوالے سے ہونے والی بات بتا دی۔ اس بار ابا نے خود اپنی بیٹی کے لیے عمر کے سامنے دست سوال دراز کر دیا۔ وہ اس ہیرے جیسے لڑکے کو ہرگز گنوانا نہیں چاہتے تھے۔

☆ ☆ ☆

آج بہت عرصے بعد فائقہ کے قدم جانے پہچانے راستے پر اٹھ رہے تھے۔ کچی بستی کی وہ گلی جر... تیسرے مکان کے ایک کمرے میں عمر اور وہ مل... کو پڑھایا کرتے تھے اس کی منزل تھا، لیکن منزل... اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ وہاں بڑا سا تالا پڑا ہوا... عمر نے اپنا سابقہ معمول نہیں بدلا تھا تو اس وقت تالا نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"سنو! یہاں ایک ماسٹر صاحب بچوں کو پڑھایا... ہیں۔ آج وہ پڑھانے نہیں آئے کیا؟" گلی... گزرتے ایک پندرہ سولہ سال کے لڑکے کو رو... اس نے پوچھا۔ اسے عمر کے اب بھی اپنے معمول... قائم رہنے کا اتنا یقین تھا کہ اس نے "تھے" کے... پورے وثوق سے "ہیں" کا صیغہ استعمال کیا تھا۔

"انہوں نے تو بہت عرصہ ہوا یہاں بچوں کو پڑ... چھوڑ دیا۔ اب تو یہاں ایک سبزی والا رہتا ہے... اپنے کام پر گیا ہوا ہے اس لیے دروازے پر... ہے۔" لڑکے کی اطلاع نے فائقہ کو شدید جھٹکا لگا...

"تو کیا وہ سب صرف عمر کی فراغت کے دنوں... شغل تھا اور اچھی ملازمت مل جانے کے بعد اس... یہاں آنا اور ان غریب بچوں کو پڑھانا چھوڑ دیا تھا" ... سوچ کر رہ گئی۔

"آپ کو ان ماسٹر صاحب سے ملنا ہے کیا؟" اس... اتری ہوئی شکل دیکھ کر لڑکے نے سوال کیا۔ فا... جواب میں کچھ نہ کہہ سکی۔ لڑکا خود ہی بتانے لگا۔

"ماسٹر صاحب کے پاس بچے بہت زیادہ آنے... تھے۔ یہ کمرا چھوٹا پڑ رہا تھا اس لیے انہوں نے ا... دوسرا مکان کرائے پر لے لیا۔ اب تو وہ اچھا خا... اسکول ہی بن گیا ہے۔ ماسٹر صاحب کے ساتھ ایک... اور بھی دوسرے ماسٹر پڑھانے کے لیے آتے ہیں..." لڑکے کی اس دوسری اطلاع نے فائقہ کے تن مردہ... جان ڈال دی۔ اسے خود پر افسوس ہونے لگا کہ وہ لمحہ... کے لیے ہی سہی عمر سے بدگمان کیوں ہوئی۔

"تم مجھے وہ گھر دکھا سکتے ہو!" اطمینان بھری ایک... سانس لیتے ہوئے فائقہ نے لڑکے سے پوچھا۔

"کیوں نہیں جی؟" لڑکا جو فائقہ کی لمحہ بہ...

کیفیت پر حیران ہو رہا تھا جوش سے بولا۔

فائقہ اس کی رہنمائی میں اس مکان تک پہنچ گئی جہاں عمر اور اس کے شاگردوں کے پائے جانے کا امکان تھا۔

"فائقہ باجی آئی ہیں۔ فائقہ باجی آئی ہیں۔" ابھی وہ اندر داخل ہی ہوئی تھی کہ دو بچوں نے اسے دیکھ کر شور مچادیا۔ یہ دونوں بچے ان بچوں میں سے تھے جنہیں کچھ عرصہ فائقہ نے بھی پڑھایا تھا۔

بچوں کی آواز پر عمر نے پلٹ کر دیکھا اور فائقہ کو وہاں پاکر اس کے چہرے پر چمک سی پھیل گئی۔ وہی چمک جو اس کے عام سے نقوش والے گہرے سانولے چہرے کو بہت روشن کردیتی تھی۔

"آؤ فائقہ! دیکھو اب تو ہم نے کافی ترقی کرلی ہے۔ اب یہاں بہت سارے بچوں کا اضافہ ہوچکا ہے۔" وہ خوشی خوشی اسے بچوں سے ملوانے لگا۔ مکان میں دو کمرے اور تھے جہاں نسبتاً کم عمر لڑکے بچوں کو پڑھا رہے تھے۔

"یہ میرے کالج کے اسٹوڈنٹس ہیں۔ اپنی مرضی اور شوق سے روزانہ رضاکارانہ طور پر بچوں کو پڑھانے کے لیے آتے ہیں۔" عمر نے ان لڑکوں کا فائقہ سے تعارف کروایا۔

فائقہ کو ان دونوں کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی۔ عمر نے چراغ سے چراغ جلانے کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ تاریکی مکمل طور پر نہ تھی مٹی نہ سہی کم تو ضرور ہی ہونا تھی۔

"ہم صرف دو سے ڈھائی گھنٹے کے لیے ان بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر بچے وہ ہیں جو کہیں نہ کہیں کام بھی کرتے ہیں۔ ان کی مجبوری کو سمجھتے ہوئے ہم نے اپنا نصاب اس طرح ترتیب دیا ہے کہ کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات بہتر طریقے سے ان بچوں کو منتقل ہوسکیں۔"

اب عمر اسے اسکول کے بارے میں دیگر باتیں بتا رہا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے صحن میں موجود ایک لوہے کی سیڑھی کے قریب پہنچے۔ یہ سیڑھی اوپر چھت کی طرف جارہی تھی۔

"آؤ تمہیں اپنا محل دکھاؤں۔"

عمر نے سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے اس سے کہا۔ سج سج چلتی اس کے پیچھے سیڑھیاں طے کرنے گی۔ اوپر چار دیواری اٹھا کر صرف ایک کمرا بنایا گیا تھا۔ چار دیواری کے ساتھ بہت سے گملوں میں پھولدار آرائشی پودے لگے تھے۔ عمر نے کمرے کی کنڈی گرا کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ کمرے میں بہت سامان نہیں تھا لیکن نفاست اور صفائی کی وجہ سے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"تمہارے ابا نے مجھ سے ایک سوال کیا تھا۔ میں نے انہیں جواب نہیں دیا۔ میں چاہتا تھا کہ اس سوال کا جواب تم سے معلوم کروں۔ تم میرے طرز زندگی کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو باقی اب سمجھ لو۔ میرے پاس آج بھی کوئی دنیاوی ساز و سامان نہیں ہے۔ میرا اثاثہ بس یہ بچے اور وہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہیں جو مجھے کسی انسان کے کام آکر حاصل ہوتی ہیں۔ اپنی اس مخصوص ڈگر پر چلتی زندگی کے لیے میں نے تمہارے ساتھ کا خواب بارہا دیکھا ہے لیکن میں اپنے اس خواب کو زبردستی تعبیر نہیں دینا چاہتا۔ میرے دل میں تمہارے لیے آج بھی وہی بے لوث محبت ہے۔ جو تمہیں پانے سے زیادہ، تمہیں خوش دیکھنے کی خواہش مند ہے۔ زندگی نے تمہیں ایک بار دھوکا دیا ہے تو ضروری نہیں کہ آئندہ بھی ایسا ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہر قسم کے جذباتی دباؤ سے آزاد ہو کر اپنی زندگی کا فیصلہ کرو۔ اگر میرے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش رکھتی ہو تو یاد رکھنا کہ وہ زندگی بہت پُر مشقت ہوگی۔ میں اپنی محبت کے علاوہ کوئی بھی شے تمہیں بہت فراوانی سے مہیا نہیں کرسکوں گا۔" عمر وہی تھا اور ویسا ہی تھا جیسا وہ اسے چھوڑ کر گئی تھی۔

"آپ کو یاد ہے عمر! جب آپ ان بچوں کو فٹ پاتھ سے کسی کمرے میں منتقل کرنے کے خواہش مند تھے تو میں نے کمرے کے ایڈوانس کے لیے اپنی ساری پاکٹ منی لاکر آپ کو دے دی تھی۔"

"بہت اچھی طرح یاد ہے۔" عمر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس وقت اس نے یہ ذکر کیوں چھیڑا ہے۔

"ہماری شادی کے بعد آپ جیب خرچ کے لیے مجھے جو کچھ دیا کریں گے میں اسے جمع کرکے آپ کے اسکول کو ڈونیشن کردوں گی۔ میں آپ کے اسکول میں بنا تنخواہ پڑھا بھی دیا کروں گی اور ہاں میں اسکول کی صفائی ستھرائی کا کام کرنے پر بھی راضی ہوں۔ کیا آپ میری ان ساری آفرز کے بعد میرا جواب ہاں میں سننا پسند کریں گے؟"

اس نے چہرے پر بے حد سکینیت طاری کررکھی تھی لیکن ہیرے کی طرح جگر جگر کرتی آنکھوں میں شرارت اور شوخی ناچ رہی تھی۔ عمر اپنی ہنسی کو ہونٹوں میں ہی دبا کر سنجیدگی سے بولا۔

"نہیں۔" اس نہیں کے بعد اس نے تھوڑا سا وقفہ دیا۔ اس مختصر سے وقفے میں فائقہ کے چہرے پر زردی چھاگئی۔ "میں تمہاری ہاں نہیں سننا چاہتا کیونکہ صرف میرے ہاں سننے سے کچھ نہیں ہوگا۔ بہتر ہے کہ تم اپنی اس ہاں کو اس وقت کے لیے سنبھال کر رکھو جب وکیل اور گواہ آکر تم سے سوال کریں۔"

بہت سنجیدگی سے کہی عمر کی اس بات کو وہ فوری طور پر سمجھ نہیں سکی تھی لیکن جب سمجھی تو رخساروں کی زردی کی جگہ ایک بار پھر گلابیوں نے لے لی۔

عمر نے بہت دلچسپی سے اس گلال کو دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لڑکی اس سے اتنی محبت کرتی ہے کہ اس کا ساتھ اسے زندگی میں محبت کی محرومی کے ہر ملال سے آزاد کردے گا۔

فائقہ کا ساتھ اسے صرف محبت ہی نہیں ایک بہت بہترین معاون بھی فراہم کرتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ابھی ابھی اس نے مذاق میں جتنی آفرز کی تھیں، وہ بالکل حقیقی تھیں اور ان میں سے کوئی بھی پیشکش محدود مدت کے لیے ہرگز نہیں تھی کیونکہ جن کا دل خوب صورت ہو ان کی سوچ کے زاویے کبھی نہیں بدلتے۔

☆